آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

نمونۂ اسلاف

حضرت مفتی ابراہیم صاحب آچھودیؒ

(سابق شیخ الحدیث: جامعہ رحمانیہ، دارالعلوم، وناکپور، گودھرا)

تالیف

محمد ادریس بن محمد یوسف گونیا (گودھرا)

مدرسہ جامعہ رحمانیہ عربیہ اسلامیہ دار العلوم
وناکپور، گودھرا، پنچ محل، گجرات

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

نمونۂ اسلاف
حضرت مفتی ابراہیم صاحب آچھودیؒ

(سابق شیخ الحدیث: جامعہ رحمانیہ، دار العلوم، وناکپور، گودھرا)

تالیف

محمد ادریس بن محمد یوسف گونیا (گودھرا)

ناشر

مدرسہ جامعہ رحمانیہ، عربیہ، اسلامیہ، دار العلوم،
وناکپور، گودھرا، پنچ محل، گجرات

تفصیلات

کتاب کا نام:.................... نمونۂ اسلاف حضرت مفتی ابراہیم صاحبؒ

تالیف:.......................... محمد ادریس محمد یوسف گونیا (گودھرا)

[7698364621]

صفحات:.. ۱۴۴

سن اشاعت:.................... شعبان: ۱۴۴۴ھ مطابق مارچ: ۲۰۲۳ء

ناشر:.................... جامعہ رحمانیہ، دارالعلوم وناکپور، گودھرا، پنچ محل، گجرات

ملنے کا پتہ

(۱) محمد ادریس گونیا (MO.7698364621)

(۲) پنجابی کتاب گھر (MO.9904857952)

فہرستِ مضامین

دعائیہ کلمات

ماہر شریعت ورہبر طریقت حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم العالی

شیخ الحدیث: جامعہ ڈابھیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا ابراہیم صاحب آچھودی نور اللہ مرقدہ کے حالات زندگی کا یہ گلدستہ ۔جو مولانا محمد ادریس صاحب زید مجدہ نے تیار کیا ہے۔۔مولانا کے حالات پر ایک جامع دستاویز ہے، اور "اذکروا محاسن موتاکم" کا ایک شاندار نمونہ بھی۔

اللہ تبارک وتعالی مرتب محترم کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، اور قارئین کے حق میں اس کو بیش از بیش مفید اور مؤثر بنائے۔ دل سے دعا کرتا ہوں۔ فقط والسلام

أملاہ

العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۲۶، جمادی الاخریٰ ۱۴۴۳ھ

تقریظ

حضرت مولانا عبدالستار صاحب بھاگلیا دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم: جامعہ رحمانیہ، دارالعلوم، ونا کپور، گودھرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

۲۲؍جمادی الاولی ۱۴۴۳ھ مطابق: ۲۶؍دسمبر ۲۰۲۱ء بروز پیر حضرت مفتی ابراہیم صاحب آچھودی رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک رحلت نے ہمارے ادارے میں ایک بہت بڑا خلاء پیدا کردیا!! اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک ولی صفت، خدا رسیدہ بزرگ تھے، علمی وعملی رسوخ، ورع، تقوی، استغناء، زہد، اخلاص، للّٰہیت، اتباعِ سنت، تواضع، ملنساری، سادگی، خوش اخلاقی، ظرافت، مہمان نوازی، چھوٹوں پر شفقت، اپنے اساتذہ واکابر کے ادب و احترام، طلباء پر مہربانی، جودوسخا، فناء فی اللہ جیسے اوصاف کے مجسم پیکر تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ سے بندہ کے تعلقات بہت پرانے تھے، حضرت مفتی صاحب جب دارالعلوم لوناواڑا میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے تب ہی سے احقر کو ان سے شناسائی حاصل تھی، جو بعد میں دوستانہ تعلقات میں تبدیل ہوگئی، جب بھی لوناواڑا جانا ہوتا تھا حضرت مفتی صاحب سے ضرور ملاقات ہوتی تھی اور حضرت مفتی صاحب بھی جب بھی گودھرا تشریف لاتے تھے تو ضرور زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوتا تھا۔

اس کے بعد جب حضرت مفتی صاحب مستقل مدرس کی حیثیت سے گودھرا تشریف لے آئے تو دارالعلوم کے روزِ اول سے مینیجنگ ٹرسٹی ہونے کے ناطے سے حضرت مفتی صاحب سے تعلقات روز بروز بڑھتے ہی گئے۔ اور سن ۱۹۹۲ء میں جب بندہ نے جامعہ کے اہتمام کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی تو یہ تعلقات اپنی انتہاء کو پہنچ گئے۔

جامعہ کے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد احقر نے تمام تر تعلیمی انتظامات حضرت مفتی صاحب کے سپرد کردئے تھے، اور حضرت مفتی صاحب کو اس سلسلہ کے تمام اختیارات دے دئے تھے، حضرت مفتی صاحب نے تعلیمی انتظامات کو اپنی وفات تک بحسن خوبی نبھایا۔ حضرت مفتی صاحب ہی کا بڑی محنت سے تیار کردہ نصاب تعلیم جامعہ میں جاری وساری ہے، حضرت مفتی صاحب نے تعلیمی وتربیتی ہر دو اعتبار سے مدرسہ کو بامِ عروج پر پہنچایا اور اس سلسلہ میں میرا پورا تعاون فرما کر مجھے راحت پہنچائی۔

مدرسہ کے تمام اہم امور میں حضرت مفتی صاحب سے مشورہ کیا جاتا تھا، اور تقریباً انہیں کے مشورہ کے مطابق کام انجام دیا جاتا تھا، ہر امر میں حضرت مفتی صاحب کی رضا کو مقدم رکھا جاتا تھا، جس کی ایک مثال یہ ہے کہ جامعہ میں تقریباً تیس سال (۳۰) تک درجۂ مشکوۃ تک تعلیم رہی، آخری سال (دورۂ حدیث) محض اس وجہ سے جاری نہیں کیا جارہا تھا کہ حضرت مفتی صاحب اس پر راضی نہیں تھے، بالآخر جب حضرت مفتی صاحب ۲۰۱۹ء میں اکابر کے مشورہ سے دورۂ حدیث کے لیے راضی ہوئے تب ہی دورۂ حدیث شروع کیا گیا۔

حضرت مفتی صاحب کا سانحۂ ارتحال جامعہ کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے، اللہ تعالیٰ ہی محض اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس خلاء کو پر فرمائیں اور جامعہ کو ان کا نعم البدل نصیب فرمائیں۔

حضرت مفتی صاحب کی سوانح سے متعلق یہ مختصر کتاب ''دریا بکوزہ'' اور ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کا مصداق ہے، ہمارے جامعہ کے استاذِ حدیث مولانا محمد ادریس صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بہت ہی سلیقہ سے حضرت مفتی صاحب کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، اللہ تعالیٰ مرتب کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور قارئین کے لیے اسے مفید سے مفید تر بنائیں۔

عبدالستار بھاگلیا
مہتمم: دارالعلوم گودھرا

عرض مرتب

الحمد لله کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

۲۲/جمادی الاولی ۱۴۴۳ھ مطابق: ۲۶/دسمبر ۲۰۲۱ء بروز پیر حضرت مفتی ابراہیم صاحب آچھودی رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک رحلت نے آپ سے تعلق رکھنے والے اکابر علماء، بزرگان دین، شاگردان اور عقیدت ومحبت رکھنے والوں کو مغموم ومحزون کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک ولی صفت، خدا رسیدہ بزرگ تھے، علمی وعملی رسوخ، ورع، تقوی، استغناء، زہد، اخلاص، للّٰہیت، اتباع سنت، تواضع، ملنساری، سادگی، خوش اخلاقی، ظرافت، مہمان نوازی، چھوٹوں پر شفقت، اپنے اساتذہ واکابر کے ادب واحترام، طلباء پر مہربانی، جود وسخا، فناء فی اللہ جیسے اوصاف کے مجسم پیکر تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اساتذۂ کرام اور اکابر شیوخ کے منظور نظر تھے، مرحوم ومغفور اکابر اور موجودہ شیوخ سبھی آپ کو عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور آپ میں خدائے برحق کی طرف سے ودیعت کردہ اوصاف وکمالات کے دل سے معترف تھے، اور آپ کو حقیقت میں "نمونۂ اسلاف" تصور کرتے تھے۔

کتاب کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ کتاب کو مندرجۂ ذیل دس ابواب میں منقسم کیا گیا ہے:

باب اول: ولادت اور تعلیم

باب دوم: اسانید کتبِ احادیث

باب سوم: تدریسی خدمات

باب چہارم: اصلاحی تعلق

باب پنجم: تالیفات

باب ششم: حضرت مفتی صاحب اکابر کی نگاہ میں

باب ہفتم: امتیازات وخصوصیات (یہ باب سب سے اہم ہے۔)

باب ہشتم: ملفوظات

باب نہم: سانحۂ ارتحال

باب دہم: وفات کے بعد مبشرات

اس کتاب کی ترتیب وتالیف کے درمیان تمام تعاون کرنے والوں کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی ان تمام کو دنیا وآخرت میں بہترین بدلہ نصیب فرمائیں۔

دعا کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی قبر کو "روضة من رياض الجنة" بنائیں، مغفرت کی دلنواز ادائیں ہمدم وہم ساز رہیں، "نم كنومة العروس" کی صدائے روح پرور انہیں لوریاں دیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی دینی، علمی، اصلاحی، فکری، ملی، سماجی، رفاہی خدمات کو قبول فرما کر ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں، ان کی مکمل مغفرت فرمائیں، درجات کو بلند فرمائیں، حسنات کو قبول فرمائیں، سیآت کو حسنات میں تبدیل فرمائیں، اور انہیں اپنی مغفرتوں اور رحمتوں میں ڈھانپ لیں، اور آخرت کے تمام مراحل بآسانی پار فرمائیں۔

محتاج دعا ودعا گو

محمد ادریس گونیا

دار العلوم گودھرا

۳ رجب المرجب ۱۴۴۴ھ

مطابق: ۲۵ جنوری ۲۰۲۳ء

بابِ اول

ولادت اور تعلیم

ولادت اور تعلیم

مکمل اسم گرامی:

آپ کا مکمل اسم گرامی ابراہیم بن احمد بن علی بن یوسف بن ابراہیم بن عمر جیؒ تھا اور آپ کی سرنیم ''باڑی والا'' تھی۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت باسعادت ۲۴، ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء بروز شنبہ صوبۂ گجرات کے ضلع بھروچ کے تحصیل جمبوسر کے گاؤں ٹنکاریہ میں ہوئی تھی۔

ابتدائی تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے ننہال ٹنکاریہ کے مکتب میں مولانا طاہر بنگالی اور قاضی اسماعیل صاحب سے حاصل کی تھی۔

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم چھٹی کلاس تک حاصل کی تھی، اسکول کے اساتذۂ کرام کے اسمائے گرامی مندرجۂ ذیل ہیں۔

(۱) جناب یوسف ماسٹر صاحب

(۲) جناب یعقوب ولی صاحب

(۳) جناب ابراہیم غلام منشی صاحب

(۴) وریا مہودھرا گاؤں کے ایک استاذ (جن کا نام معلوم نہیں۔)

درس نظامی کی تعلیم و تکمیل:

ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع نوساری کا رخ کیا تھا، اور آپ نے یہاں فارسی اول کی کتابیں مولانا محمد حنیف ملک پوری صاحبؒ

سے پڑھیں۔

فارسی دوم کی کتابیں مولانا اسماعیل بسم اللہؒ (تخلص: بھائیلہ) سے پڑھیں۔

نیز جامعہ حسینیہ کے جید مدرس حضرت مولانا ظہور الحسن ٹونکی صاحبؒ سے گلستاں، بوستاں اور مالابدمنہ کو دوبارہ پڑھا تھا، اور مولانا سلیمان ماکروڈ صاحب سے صرف میر پڑھیں۔

عربی اول کی کتابیں مولانا ابراہیم ایکھلوایاڈابھیلی صاحبؒ (المعروف بہ صوفی صاحب) اور مولانا عبدالحی بسم اللہ صاحبؒ سے پڑھیں۔

عربی اول کی تکمیل کے بعد عربی دوم کی تعلیم کے لیے جامعہ حسینیہ راندیر ضلع سورت تشریف لے گئے اور یہاں عربی دوم کی کتابیں مولانا ظہور الحسن ٹونکی صاحبؒ، مولانا عبد الحفیظ پشاوری صاحبؒ اور مولانا محمد علی بن داؤد دساتھیہ قاسمی کالیڑوی پالنپوری صاحبؒ سے پڑھیں۔

نیز حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیسائی صاحب سے القراءۃ الراشدہ اول، دوم، ھدایۃ النحو اور شرح مأۃ عامل پڑھیں۔

عربی دوم کی تکمیل کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی شاخ ''مدرسہ خلیلیہ'' کے لیے رختِ سفر باندھا اور وہاں عربی سوم کی کتابیں مولانا احمد بنگالی صاحبؒ، مولانا یامین صاحبؒ اور مولانا جمیل الرحمن صاحبؒ سے پڑھیں۔

یہاں آپ نے کافیہ، شرح جامی بحث فعل، قدوری، ایساغوجی اور مرقات وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

عربی سوم کی تکمیل کے بعد ازہر الہند ''دار العلوم دیوبند'' تشریف لے گئے تھے اور یہاں عربی چہارم سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم حاصل فرمائی اور مندرجۂ ذیل اساتذۂ کرام سے پڑھا:

(۱) حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندیؒ (ہدایہ اولین)۔

(۲) حضرت مولانا سید حسن صاحب دیو بندیؒ (مشکوۃ شریف)

درمیان سال مولانا کے انتقال کے بعد مندرجۂ ذیل اساتذہ سے پڑھا:

(۳) حضرت مولانا عبدالاحد صاحب ایوبی دیو بندیؒ (مشکوۃ جلد اول)۔

(۴) حضرت قاری طیب صاحبؒ (مشکوۃ جلد ثانی)۔

(۵) حضرت مولانا نصیر احمد بلند شہری صاحبؒ (جلالین اور الفوز الکبیر)۔

دورۂ حدیث کے اساتذۂ کرام

(۱) فخر المحدثین مولانا فخر الدین احمد مرادآبادی صاحبؒ (بخاری شریف)۔

(۲) جامع المنقول والمعقول علامہ ابراہیم بلیاوی صاحبؒ (ترمذی شریف اول، مقدمۂ مسلم وکتاب الایمان)۔

(۳) حضرت مولانا بشیر خان بلند شہری صاحبؒ (باقی مسلم شریف)۔

(۴) علامہ فخر الحسن مرادآبادی صاحبؒ (ترمذی ثانی مع کتاب العلل وشمائل، ابوداؤد)۔

(۵) حضرت مولانا محمد ظہور دیو بندی صاحبؒ (نسائی شریف)۔

(۶) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہان پوریؒ (طحاوی شریف)۔

(۷) حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، مہتمم: دارالعلوم دیو بند (مؤطا امام مالکؒ)۔

(۸) حضرت مولانا عبدالاحد دیو بندی صاحبؒ (مؤطا امام محمد)۔

سن فراغت

آپ کی فراغت ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں ہوئی تھی۔

آپ کے دارالعلوم دیو بند کے رفقائے عظام میں حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوریؒ (سابق شیخ الحدیث دیو بند) اور مولانا ابراہیم اندوری صاحبؒ (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات) بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

دورۂ حدیث میں حاصل کردہ نمبرات:

راقم الحروف نے دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں حضرت مفتی صاحب کے دورۂ حدیث کے نمبرات کے حصول کی غرض سے ایک درخواست پیش کی تھی، جس کا مندرجۂ ذیل جواب موصول ہوا۔ دارالعلوم کی یہ خدمت بھی قابل ستائش ہے کہ تقریباً ۶۰ سال پرانا ریکارڈ بھی محفوظ ہے اور تلاش کر کے بھیجنے والے بھی شکریہ کے مستحق ہے۔ جزاھم اللّٰہ خیرا واحسن الجزاء۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت والا ــــــــــــــــــــــــــــ زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عرض خدمت ہے کہ منسلکہ درخواست میں مطلوب ممکنہ معلومات حسب ذیل ہیں۔

ریکارڈ کے مطابق جناب مولانا ابراہیم صاحب ولد جناب احمد صاحب، ساکن: ٹنکاریہ، ڈاک خانہ: خاص، ضلع: بھروچ کا داخلہ: ۱۷/ ۱۰/ ۱۳۷۷ھ میں ہوا، دورۂ حدیث سے فراغت شعبان ۱۳۸۲ھ میں ہوئی، عمر بوقت داخلہ ۱۶، سال۔ مظاہر علوم سہارنپور سے پڑھ کر آئے تھے۔

دورۂ حدیث کے امتحان سالانہ میں حاصل کردہ نمبرات مندرجۂ ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات
۱	بخاری شریف	۴۵
۲	ترمذی شریف	۳۷
۳	مسلم شریف	۴۵
۴	ابوداؤد شریف	۵۰

۵	نسائی شریف	۴۰
۶	ابن ماجہ شریف	۴۲
۷	طحاوی شریف	۴۴
۸	شمائل ترمذی	۴۲
۹	مؤطا امام مالک	۴۰
۱۰	مؤطا امام محمد	۴۰

والسلام... عبد السلام قاسمی

محافظ خانہ

۱۴/ ۷/ ۱۴۴۳ھ۔ ۱۶/ ۲/ ۲۰۲۲ء

افتاء

۱۹۶۳ء میں ایک سال ستپون کے ''نور الاسلام'' نامی مکتب میں پڑھانے کے بعد ''دار العلوم دیوبند'' تشریف لے گئے اور شعبۂ تدریب الافتاء میں داخلہ لے کر داخل نصاب کتابیں مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری صاحبؒ (صدر مفتی: دار العلوم دیوبند) سے پڑھیں، اور فتوی نویسی کی مشق کی۔

سالانہ امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۴ء میں افتاء کی سند حاصل فرمائی۔

علم ہیئت کی تعلیم

آپ ۱۹۶۷ء میں جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل سے مستعفی ہو کر نصف سال ''علم ہیئت'' حاصل کرنے کی غرض سے ''دار العلوم دیوبند'' تشریف لے گئے اور وہاں مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ سے شرح چغمینی، تصریح اور فتحیہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

باب دوم

اسانید کتب احادیث

(۱) مشکوۃ شریف کی سند

الحمدلله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى اله وأصحابه أجمعين، أما بعد!

كان الشيخ المفتي إبراهيم أجودي رحمه اللّٰه تعالى رحمة واسعة يروي مشكاة المصابيح للشيخ محمد بن عبد اللّٰه الخطيب التبريزي عن شيخيه القارئ المقرئ محمد طيب (مدير دار العلوم ديوبند) والشيخ عبد الأحد كلاهما يرويان عن الشيخ الحافظ أحمد عن الشيخ عبد السميع عن شيخ الهند محمود الحسن الديوبندي عن الشيخ محمد قاسم النانوتوي والشيخ رشيد أحمد الجنجوهی عن المحدث الشيخ عبد الغني المجددي الدهلوي عن الشيخ المحدث محمد إسحاق الدهلوي عن جده لأمه المحدث الحجة الشاه عبدالعزيز الدهلوي عن والده الإمام الشاه ولى الله الدهلوي والشاه ولي الله يروي عن مسند المدينة الشيخ أبي طاهر محمد بن إبراهيم بن حسن الكردي المدني عن والده الإمام الفقيه الشيخ أبي اسحاق إبراهيم بن حسن الكردي المدني عن الإمام الشيخ صفي الدين أحمد محمد بن يونس القشاشي عن الشيخ أبي المواهب أحمد بن علي بن عبد القدوس الشناوي عن السيد غضنفر بن السيد بن جعفر النهرواني عن الشيخ محمد سعيد المعروف بمير كلان عن السيد نسيم الدين ميرك شاه عن أبيه الشيخ السيد جمال الدين عطاء اللّٰه بن السيد غياث الدين فضل اللّٰه بن السيد عبد الرحمن عن عمه الهمام السيد أصيل الدين عبد اللّٰه بن عبد الرحمن بن عبد اللطيف بن جلال الدين يحيى الشيرازي الحسيني عن الشيخ شرف الدين عبد الرحيم بن عبد الكريم الجرهی الصديقی عن علامة العصر إمام الدين على بن مبارك شاه الساوجي الصديقي عن مؤلف الكتاب ولي الدين محمد بن عبد اللّٰه الخطيب التبريزي رحمهم اللّٰه رحمة واسعة۔۔۔

(۲) بخاری شریف کی سند

الحمدلله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين أما بعد!

كان الشيخ المفتي إبراهيم آجودي (شيخ الحديث سابقا بدار العلوم غودرا ـ غجرات، الهند) يروى الجامع الصحيح للإمام البخاري عن شيخه العلامة فخر الدين مرادآبادي (شيخ الحديث بدار العلوم ديوبند، الهند) وهو يروى عن شيخه المحدث شيخ الهند محمود حسن الديوبندي عن شيخيه شيخ الحجة العارف بالله محمد قاسم النانوتوي والشيخ رشيد أحمد الجنجوهي كلاهما يرويان عن المحدث الشيخ عبد الغني المجددي الدهلوي، عن الشيخ المحدث محمد إسحاق الدهلوي عن جده لأمه المحدث الحجة الشاه عبدالعزيز الدهلوي ،عن والده الإمام الشاه ولى الله الدهلوي، والشاه ولي الله يروي عن مسند المدينة الشيخ أبي طاهر محمد بن إبراهيم بن حسن الكردي المدني عن والده الإمام الفقيه الشيخ أبي اسحاق إبراهيم بن حسن الكردي المدني عن الإمام الشيخ صفي الدين أحمد محمد بن يونس القشاشي عن الشيخ أبي المواهب أحمد بن علي بن عبد القدوس الشناوي عن الإمام العلامة الفقيه الشافعي شمس الدين محمد بن أحمد الرملي عن الإمام شيخ الإسلام زكريا بن محمد الأنصاري عن الإمام الحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر الكناني العسقلاني عن مسند القاهرة الإمام إبراهيم بن أحمد بن عبدالواحد التنوخي عن المسند المعمر أبي العباس أحمد بن أبي طالب الصالحي الشهير بالحجار عن الإمام أبي علي الحسين بن المبارك الزبيدي البغدادي عن الشيخ الإمام أبي الوقت عبد الأولين عيسى السجزي الهروي عن الإمام أبي الحسن عبد الرحمن بن محمد بن مظفر الداودي البوشنج عن الإمام عبد الله بن أحمد بن حموية السرخسي عن راوي الصحيح الإمام أبي عبد الله محمد بن يوسف بن مطر

الفربري عن مصنف الكتاب إمام الأئمة أبي عبدالله محمد بن إسماعيل الجعفي البخاری. وهو يروي بأسانيده المختلفة عن سيد المرسلين خاتم النبيين محمد بن عبدالله الهاشمي عليه صلاة وسلاما دائمين إلى يوم الدين.

(۳) مسلم شریف کی سند

الحمدلله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد!

كان الشيخ المفتي إبراهيم آجودي (شيخ الحديث سابقا بدار العلوم غودرا، غجرات، الهند) يروى صحيح مسلم للإمام أبي الحسين مسلم بن الحجاج القشيري رحمه الله تعالى عن شيخه الشيخ العلامة إبراهيم بلياوي (مقدمة مسلم وكتاب الإيمان)

وعن الشيخ بشير أحمد خان بلندشهري (من كتاب الطهارة إلى آخره) وهو يروي عن العلامة أنور الشاه كشميري۔

وكلاهما (العلامة أنور كشميري والشيخ العلامة إبراهيم بلياوي) يرويان عن شيخ الهند محمود حسن الديوبندي عن شيخيه الحجة العارف بالله محمد قاسم النانوتوي والشيخ المحدث رشيد أحمد الجنجوهي كلاهما يرويان عن المحدث الشيخ عبدالغني المجددي الدهلوي عن الشيخ المحدث محمد إسحاق الدهلوي، عن جده لأمه المحدث الحجة الشاه عبدالعزيز الدهلوي، عن والده الإمام الشاه ولي الله الدهلوي عن شيخه المفضل أبي طاهر محمد بن إبراهيم الكردي المدني عن أبيه الشيخ إبراهيم الكردي عن شيخه سلطان المزاحي عن شيخه شهاب أحمد بن خليل السبكي عن شيخه نجم الدين الخيطي عن شيخه زين الدين زكريا عن شيخه أحمد بن على بن حجر العسقلاني عن شيخه صلاح الدين بن أبي عمرو المقدسي عن

شيخه فخر الدين أبى الحسن علي بن أحمد بن عبد الواحد المقدسي المعروف ب إبن البخاري عن شيخه أبي الحسن المؤيد بن محمد الطوسي عن فقيه الحرم أبى عبدالله محمد بن فضل بن أحمد الفزاري عن الإمام أبى الحسن عبد الغافر بن محمد الفارسي عن أبى أحمد محمد بن عيسى الجلودي النيسابوري عن أبى إسحاق إبراهيم بن محمد بن سفيان الفقيه الجلودي وهو يروي عن مؤلف الكتاب أمير المؤمنين فى الحديث أبى الحسين مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري وهو يروي بأسانيده المختلفة عن سيد المرسلين خاتم النبيين محمد بن عبد اللّٰه الهاشمي عليه صلاة وسلاما دائمين إلى يوم الدين.

(۴) ابوداود کی سند

الحمدلله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحابته أجمعين، أما بعد!

كان الشيخ المفتي إبراهيم آجودي (شيخ الحديث سابقا بدار العلوم غودرا، غجرات، الهند) يروي السنن لأبى داوٗد سليمان بن أشعث السجستاني عن شيخه العلامة فخر الحسن مرادآبادى عن شيخه شيخ الإسلام حسين أحمد المدنى الديوبندى عن شيخ الهند محمود حسن الديوبندى عن شيخيه القاسم النانوتوي ورشيد أحمد الجنجوهي وهما يرويان عن الشيخ عبد الغنى الدهلوى عن الإمام الحجة الشاه محمد إسحاق الدهلوى عن عبد العزيز الدهلوى عن الشاه ولى اللّٰه الدهلوى رحمهم اللّٰه تعالى عن شيخه المفضل أبي طاهر محمد بن إبراهيم الكردي المدني عن الشيخ الأجل حسن بن علي العجيمي عن الشيخ عيسى المغربي عن الشيخ شهاب الدين أحمد بن محمد الخفاجي عن الشيخ المسند بدر الدين حسن الكرخي عن الحافظ الإمام المجتهد أبي الفضل جلال الدين السيوطي عن الشيخ

محمد بن مقبل الحلبي عن الصلاح بن أبي عمر والمقدسي عن أبي الحسن علي بن محمد بن أحمد البخاري عن مسند عصره أبي حفص عمر بن طبرزد البغدادي عن أبي الوليد إبراهيم بن محمد بن منصور الكرخي وأبي الفتح مصلح بن أحمد بن محمد الدومي كلاهما عن الحافظ أبي بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي قال أخبرنا الإمام القاضي أبو عمرو القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الهاشمي قال أخبرنا أبو علي محمد بن أحمد بن عمرو اللؤلؤي قال حدثنا أبوو داود سليمان بن ألأشعث السجستاني رضي اللّٰه عنه وعنهم، وهو يروي بأسانيده المختلفة عن سيد المرسلين خاتم النبيين محمد بن عبد اللّٰه الهاشمي عليه صلاة وسلاما دائمين إلى يوم الدين۔

(۵) سنن ترمذی کی سند

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحابته أجمعين اما بعد

كان الشيخ المفتي إبراهيم آجودي (شيخ الحديث بدار العلوم غودرا، غجرات، الهند) يروي السنن لأبي عيسى محمد بن سورة بن موسى الترمذي عن شيخه العلامة إبراهيم بلياوي وهو يروي عن شيخه شيخ الهند محمود الحسن الديوبندي عن القاسم النانوتوي عن الشيخ عبد الغنى المجددي الدهلوى عن الإمام الحجة الشاه محمد إسحاق الدهلوى عن عبد العزيز الدهلوى عن الشاه ولى اللّٰه الدهلوى عن شيخه المفضل أبي طاهر محمد بن إبراهيم الكردي المدني عن أبيه الشيخ إبراهيم الكردي عن الشيخ السلطان بن أحمد المزاحي عن الشيخ شهاب الدين أحمد بن خليل السبكي عن الشيخ نجم الدين الغيطي عن الشيخ الزين زكريا عن الشيخ العز عبد الرحيم بن محمد الفرات عن الشيخ عمر بن الحسن المراغي عن الشيخ فخر الدين بن أحمد البخاري عن الشيخ عمر بن طبرزد البغدادي عن الشيخ

أبي الفتح عبد الملك بن أبي القاسم الهروي الكروخي عن القاضي أبي عامر محمود بن القاسم بن محمد الأزدي (ح) قال الكروخي أخبرنا الشيخ أبو النصر عبد العزيز بن محمد الترياقي والشيخ أبو بكر أحمد بن عبد الصمد الغورجي قالوا أخبرنا أبو محمد عبد الجبار بن محمد الجراحي المروزي قال أخبرنا أبو العباس محمد بن أحمد بن محبوب المروزي قال أخبرنا أبو عيسى محمد بن سورة بن موسى الترمذي رحمه الله تعالى وهو يروي بأسانيده المختلفة عن سيد المرسلين خاتم النبيين محمد بن عبد الله الهاشمي عليه صلاة وسلاما دائمين إلى يوم الدين۔

نوٹ: ان مذکورہ بالا کے سوا دیگر کتب کی اسانید تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہوسکی۔

معذرت!!



سند فراغت

سند الفراغ من المدرسة العربية الإسلامية الشهيرة بدار العلوم ديوبند

رقم السند: ۸۱۴۷

الحمد لله الذى جعل الشريعة المطهرة مقياسا للحلال والحرام وأنار لها معالم وأعلاما يهتدى بها المتخبطون فى غياهب الديجور ودركاة الظلام وأقام لها أمة قائمين بأمر اللّٰه لا يضرهم من خذلهم ولا يخافون فى اللّٰه مصميات الملام ثم أخلفهم فى كل عصر جماعة يحفظون الدين وينقلون الأحكام فطوبى لهم من حملة العلوم وورثة الأنبياء العظام

والصلاة والسلام على من أرسله حين ما أظلمت الدنيا وأحاطت بها حنادس الشرك ورجس الأصنام ليقيم الملة العوجاء ويطهرها عن دنس الكفر ونجاست الأنصاب والأزلام فمهد صلواة اللّٰه وسلامه عليه لشريعة أصولا وبين لها فروعا وفصولا حتى صارت منيعة لا ترام وعلى آله واصحابه البررة الكرام المستمسكين بذروة عمود الإسلام القائمين فى نصرة الدين مقاما تزل فيه الأقدام.

وبعد! فإن أخا الصالح البار المولوى إبراهيم بن أحمد المتوطن ٹنکاری من المضافاة بھروچ قد دخل دار العلوم الديوبندية التى هى مركز العلوم الدينية ومدارها ومنها تتفجر انهارها وبحارها فى السابع عشر من شوال المكرم سنة سبع وسبعين وثلاثمئة وألف من الهجرة النبوية على صاحبها ألف ألف سلام وتحية فقرأ من العلوم والفنون الكتب الاتى ذكرها وبقى مدة ماقرأ على طريقة حسنة رضى عنها الأساتذة وأركان المدرسة وهو عندنا سليم الطبع جيد الفهم وله مناسبة بالعلوم والآن لماطلب من الإجازة أجزناه وكتبنا له هذه الورقة لتكون سنداوتذكرة عند مس الحاجة۔

ونوصيه وبالله التوفيق أن يتقى اللّٰه سرا وعلنا ويتبع السنة السنية مشتغلا بنشر الأحكام الشرعية مكبا على مطالعة الكتب الدرسية مجدا فى الترويج العلوم الدينية وأن يكون مكتفيا لآثار السلف الصالحين مجتنبا عما أحدثه المبتدعة من الاختراع فى الدين

عاضا بنواجذه على ما مضى عليه القرون المشهود لها بالخير من الصحابة والأئمة المجتهدين رضوان الله تعالى عليهم وعلى من تبعهم وأن لا ينسانا في دعواته الصالحة۔ والله الموفق والمعين وآخر دعونا عن الحمد لله رب العالمين۔

تحريرا في يوم الأحد لعشرين من شوال المكرم سنة سبع وثمانين وثلاث مئة وألف من الهجرة النبوية صلى الله على صاحبها وسلم.

أسامی الکتب المقروئة

قرأ من علم التفسير وأصوله تفسير الجلالين وتفسير سورة البقرة من البيضاوى والفوز الكبير ومن علم الحديث وأصوله صحيحى الإمامين الهمامين البخارى والمسلم وسنن أبي داؤد والنسائى وابن ماجه والجامع للإمام الترمذي والشمائل له والمؤطين للإمامين القدوتين مالک ومحمد وشرح المعانى الآثارى للإمام الطحاوى رحمه الله تعالى ومشكاة المصابيح وشرح نخبة الفكر ومن علم الفقه وأصوله الهداية بتمامها والمجلدين الأولين من شرح الوقاية ونور الأنوار والحسامى ومن علم العقائد والكلام شرح العقائد النسفية والمسامرة ومن علم الفرائض السراجي ومن علم المعانى والبيان تلخيص المفتاح ومن علم الأدب المقامات للحريري ومن علم المعقول والفلسفة القطبى وحاشية لمولانا السيد الشريف وسلم العلوم وشرحه لمولانا محمد حسن رحمه الله تعالى والميبذى ومن علم النحو مبحث الاسم من شرح الكافية لمولانا الجامى رحمه الله تعالى وقرأ بعض القرآن مجودا وتمرن على اللغة العربية في الصفى الابتدائى۔

إمضاءات المدرسين الكرام والأراكين العظام بدارالعلوم

محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)	احمد میاں	اعزاز احمد اشہر
فخر الدین غفرلہ	خورشید عالم	حفظ الرحمن
نصیر احمد	فخر الحسن غفرلہ	محمد فاروق

نوٹ: مزید کچھ اساتذۂ کرام کی دستخط ہیں لیکن پڑھی نہیں جاتی۔

افتاء کی سند

سند الإجازة من محكمة دار الإفتاء بدار العلوم ديوبند

رقم السند: ٤٦

الحمد لله الذى تنزهت ذاته عن الأشباه والنظائر وتقدست أسمائه وصفاته عن حدوث الأعراض فيها وحلول الجواهر وتلألأت من بحارها زواهر الجواهر وجل عن إدراكها تنوير الأبصار وحارت فيها غرر الأفكار۔ نحمده على ماهدانا بالعناية الخاصة لنور الهداية فى البداية والنهاية وأرشدنا إلى غاية الدراية ووفقنا بالوقاية التى تكون فيها كفاية عن الغواية وأصلى وأسلم على السراج الوهاج صدر الشريعة صاحب المعراج حاوى المقامات الرفيعة صلى الله عليه وعلى اله وأصحابه الذين خرجوا بصحبته علماء فقهاء ووصلوا إلى غاية بذلوا جهدهم عندها لاستخراج درر البحار من كنز الدقائق وتوصلوا إلى تملك اللألئ القيمة من النهر الفائق والبحر الرائق وعلى الأئمة المجتهدين وتابعيهم بإحسان إلى يوم الدين الذين فاقوا على الأقران بصفة الاجتهاد والاستنباط وكشفوا حسب المكنة عن وجوه خزائن الأسرار وفتحوا لإيضاح الحقائق باب منح الغفار من بحر فتح القدير ونالوا من مبسوط فيضه العميم المحيط وبسطوا مائدة العلوم الشرعية ليأكل منها كل صغير وكبير رغبة فى تحصين معنى قوله عز من قائل وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منه ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون۔ وعملا بقوله ﷺ فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد رواه الترمذي وابن ماجه وبقوله ﷺ من يرد الله خيرا يفقهه فى الدين رواه الشيخان وابن ماجه وأحمد فى مسنده وخياركم فى الجاهلية خياركم فى الاسلام اذا فقهوا فى الدين وبدعائه ﷺ لابن عباس اللهم فقهه فى الدين او كما قال ﷺ

وبعد! فإن أخانا فى الدين القويم المولوى إبراهيم بن أحمد المتوطن تنكاريه من مضافات بهروچ قد دخل دار الإفتاء من دار العلوم الواقعة بديوبند للتمرين وتحصيل علم

الإفتاء فی شهر ذی القعدة الحرام من سنة اثنتین وثمانین بعد الألف وثلاث مئة من الهجرة النبویه (۱۳۸۲) علی صاحبها ألف ألف سلام وتحیة حسب شرائط التمرین المؤظفة له، فطالع فیها الکتب المتعلقة بالفتوی المتداولة بین أهلها من الفتاوی الهندیه والخانیة والدر المختار ورد المختار والبحر الرائق وفتح القدیر والبدائع الصنائع وغیرها بإمعان النظر وأتم فیها المدة المؤظفة له وتمرن فیها وتمکن بها علی استخراج المسائل من مظانها وکتب جوابات لأسئلة التی وردت من أکناف وأقطار شتّی مشتملة علی مسائل مختلفة وأبواب فقهیة متنوعة فأجاد فیها کتب وأفاد وتمهر فیها حتی صار إن شاء الله تعالی أهلا لمنصب الإفتاء.

هذا وقد حباه الله تعالی طبعا سلیما وفکرا صائبا وتقوی وصلاحا حسب الظاهر والله یعلم سریرته فلما حان أن ینعب غراب البین ولا بد منه لکل مجتمعین استجازنا وطلب منا سندا لیکون له وثیقة عند الحاجة فأعطیناه هذه الورقة سندا له ولا یذهب عنه أن منصب الإفتاء من أهم الأمور وأصعبها له تعلق خاص بحقوق العباد وحقوق الله تعالی فلا یکون مطمح نظره إلا تحقیق المعنی وإظهار الصواب ولا یخاف فیه لومة لائم وإیاه والتفریق بین الأجانب والأقارب فالحق أحق أن یتبع علی کل حال وأن لا ینسانا فی دعائه فی خلواته وجلواته وأن لا یعدل عن طریق أهل السنة والجماعة والعمل بالمذهب الحنفی ورضاء الله تعالی بمرأمنه ومسمع.

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسوله محمد وآله وأصحابه اجمعین۔

وأنا أحقر الزمن السید المدعوا بمهدی حسن الشاه جهانفوری
خادم دار الإفتاء من دارالعلوم الواقعة بدیوبند ۱۱۹/۱۰/۸۴

محمد طیب
(مہتمم: دارالعلوم دیوبند)
۱۳۸۴/۱۱/۹

خصوصی کم وسائط والی سند

نوٹ: یہ بخاری شریف کی سند حضرت مفتی صاحب کو ان کے استاذ گرامی حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ (صدر مفتی دار العلوم دیوبند) نے دی تھی، یہ سند سب سے عالی سند شمار کی جاتی ہے؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت مفتی مہدی حسن صاحب اور امام بخاریؒ تک صرف گیارہ (۱۱) واسطے ہیں۔

اس سند پر کچھ محققین کی طرف سے کلام کیا گیا ہے اور عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے، لیکن چوں کہ یہ سند حضرت مفتی صاحب کے ذخیرہ میں موجود تھی اس لیے اسے یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

الحمد لله رافع من يصح العمل إلى أعلى بابه استند وواصل من انقطع بحسن العمل إلى عزيز جنابه وعليه أعتمد وأضع من تعلق في النوازل والمعضلات لضعف يقينه بسوى الفرد الصمد فليس وراء اللّٰه أحد

والصلوة والسلام على سيدنا محمد المرسل والحق فى غربة واضطراب واشتهر ولله الحمد دينه القويم فى الآفاق وتواتر ولو كره المعائد المرتاب وعلى آله المسلسل مالهم من الشرف والمجد ولد عن والد ووالد عن جد وأصحابه مصابيح الهدى ونجوم الاقتداء والتابعين لهم بإحسان ماتكرر الجديدان۔

أما بعد! فيقول خادم السنة الفقير إلى رحمة اللّٰه ذى المنن السيد أبو أحمد المدعو بمهدى حسن ابن الشاه السيد كاظم حسن ابن العلامة الفاضل الحافظ القارى مولانا الشاه السيد فضل اللّٰه الشاه جهانفورى القادرى نسبا الچشتى الصابرى مشربا الحنفى مذهبا۔ الإسناد من الدين ولو لا الإسناد لقال من شاء ماشاء۔ فلذا استجازنى أخى فى الدين على حسن ظنه بى ولست بأهل لذلك المولوى إبراهيم بن أحمد المتوطن تنكارية من مضافات بروص فلبيت دعوته وأجبت رغبته وقلت وعلى الله توكلت أجيز أخى المذكور بجميع مالى من روايات ومقروءات ومسموعات ومجازات من أجلة الأعلام

والسادات القادات الكرام إجازة عامة مطلقة تامة يحدث بها عني كيف شاء ولمن شاء بشروط مقررة عند أهل هذا الشأن حسب ما أجازني السادات الأعلام منهم الثقة الأمين الفقيه المحدث مفتي الهند مولانا محمد كفايت اللّٰہ شاه جهانفوري الدهلوي۔ قرأت عليه صحيح البخاري وجامع الإمام الترمذي قرأة وسماعا من أولهما إلى آخرهما وغيرهما من الكتب في علوم شتى من المعقول والمنقول وأجازني بروايتها عنه، وهو يروي عن إمام أهل المعرفة والمجاهدين الثقة والحجة أفضل المحققين تاج المدققين شيخ الهند المحدث الفقيه مولانا محمود الحسن الديوبندي الحنفي صدر المدرسين بدار العلوم عن أئمة أعلام أجلهم إمام المتكلمين حجة الإسلام العارف بالله قاسم العلوم مولانا محمد قاسم النانوتوي الحنفي والشيخ الثقه الفقيه المحدث الحافظ قطب العصر مولانا رشيد أحمد الجنجوهي الحنفي، وهما يرويان قراة وسماعا عن شيخ مشائخ الحديث في العرب والعجم الإمام الحجة المحدث المسند الشيخ عبدالغني المجددي الدهلوي المدني الحنفي والشيخ أحمد سعيد المجددي الدهلوي المدني والشيخ المحدث مولانا أحمد على السهارنفوري كلهم عن المشتهر في الآفاق الثقه المحدث الشاه مولانا محمد إسحق الدهلوي المكي عن جده لأمه إمام الأئمه خاتمة المحدثين في الهند الشاه عبدالعزيز الدهلوي عن والده مسند الوقت حكيم الأمة المحدث الأواه الشاه ولي الله الدهلوي۔

(ح) ويروي الشيخ عبدالغني عاليا عن الشيخ المحدث محمد عابد السندي المدني عن مشائخ الأعلام كما في حصر الشارد۔

(ح) ويروي عاليا شيخ الهند عن الشيخ المحدث الفقيه مولانا محمد مظهر النانوتوي والشيخ القاري المحدث عبدالرحمن الفاني فتي عن الشيخ محمد إسحق الدهلوي المكي.

و(ح) أنا أروي عاليا عن شيخ الهند قرأت عليه أوائل جامع الترمذي والصحيح

البخاری حین کنت مدرسًا فی المدرسة الأشرفیة الواقعة بقریة راندیر نزل بها الشیخ وأقام بها ثلاثة أیام قاصدًا إلی بیت الله الحرام وأجازنی بروایاته عنه مشائخه المذکورین۔

و(ح) أنا أروی أیضًا عن الفقیه المحدث المتکلم صاحب بذل المجهود شارح أبی داؤد مولانا خلیل أحمد السهارنفوری، قرأت علیه بقریة راندیر أوائل الصحاح السته الطحاوی والدارمی وجامع المسانید والمشکوة وکتاب الآثار و کتاب الحجة والمسلسلات وکتب لی إجازة عن مشائخه الکرام کما هو مضبوط فی ورقة الإجازة۔

وأجازنی أیضًا إمام العصر الحافظ المحدث الشیخ محمد أنور الکشمیری صدر المدرسین سابقًا فی دار العلوم ثم بجامعة ڈابھیل حضرت فی دروسه البخاری مرات کثیرة وسمعت ماقرئ علیه وقرأت علیه رسالة کشف الستر فی جلسةٍ واحدةٍ فی جامعة ڈابھیل.

وأجازنی أیضًا بأسانیده شیخ الإسلام مولانا حسین أحمد المدنی في ختم البخاری.

وأجازني أیضًا الشیخ المحدث مولانا عبدالله ابن المحدث الشیخ حسین بن محسن الأنصاری الیمنی البهوفالی عن أبیه بأسانیده إلی الشوکانی، قرأت علیه رسالة الأوائل السنبلیة فی جلسةٍ واحدةٍ وکتب لی ورقة الإجازة۔

ثم إذا سافرت إلی الحجاز لأداء فریضة الحج جالست مع علماء الحرمین وشیوخهما زادهما الله شرفًا وتعظیمًا، وحضرت دروس بعضهم وأجازني بروایة مروياتهم إجازة عامةً

فمن شیوخ مکة المکرمة وکیل الشافیه والحنابلة الشیخ الفقیه المحدث أبوبکر باجنیه الشافعي والشیخ المحدث أحمد تجار الطائفی المکی الشافعی والشیخ المحدث حبیب الله الجکنی الشنقیطی مالکی نزیل مصر في زمن ابن مسعود والشیخ محمد شرف الحنفی مدرس الحرم المکی والشیخ محمد حسن البشاوری صاحب

غنية الناسك والشيخ مولانا شفيع الدين النكينوى المهاجر المكى المجاز من حضرة الشيخ إمداد الله المهاجر المكى وأوراق إجازتهم محفوظة عندى۔

ومن المدينة المنورة شيخ الشريعة والطريقة وشيخ مشائخنا الشيخ أحمد شمس المغربى المالكى، قرات عليه أوائل البخارى فى بيته وقاضى القضاة في زمن الشريف الشيخ إبراهيم البرى الحنفي قرأت عليه الدر المختار فى بيته وسمعت ماقرئ عليه من صحيح البخارى في الحرم المدنى والشيخ عبدالقادر الطرابلسى الحنفى والشيخة أمة الله بنت شيخ الشيوخ الشيخ عبد الغنى المجددى والشيخ زكى ابن أحمد البرزنجى الشافعى والشيخ عمر حمدان المالكى شيخ الحرمين وكتبو لى ورقة الإجازة وهى محفوظة عندى۔ وأسانيدهم فى أثباتهم مضبوطة۔

وأروى أيضًا إجازة عن صاحب المؤلفات العديدة المفيدة الشيخ الفقيه المحدث المؤرخ البحاثة الشيخ محمد زاهد الكوثرى نزيل مصر كتب لى من مصر ورقة الإجازة بأسانيده وأجازني بالرواية عنه

وأروى أيضًا صحيح البخارى وغيره من كتب الحديث بإجازة عامة مطلقة عن الشيخ الكامل المحدث الفاضل على بن عبدالله الطيب الأزهرى المدنى الشافعى عن الشيخ محمد عبدالحي الكتاني عن آبائه وغيرهم بأسانيدهم

وبهذا السند بينى وبين الإمام البخارى إحدى عشرة واسطة بينى وبين النبي صلى الله عليه وسلم باعتبار ثلاثيات البخارى خمس عشرة واسطة۔ فالحمد لله على ذالك

اللهم احشرنى في زمرتهم وأدخلنى معه فى الجنة أمين۔

واوصى المجاز بتقوى الله السر والعلن فإنهما ملاك الأمور كلها وأن لا ينسانى في دعواته في جلواته وخلواته واتباع طرقة أهل السنة والجماعة والتزام مسلك الأئمة المجتهدين المتبوعين في الفروع رضى الله عنهم وأرضاهم وأخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خير خلقه محمد وآله وصحبه وأتباعه اجمعين۔

حضرت مفتی صاحب کا عقد نکاح

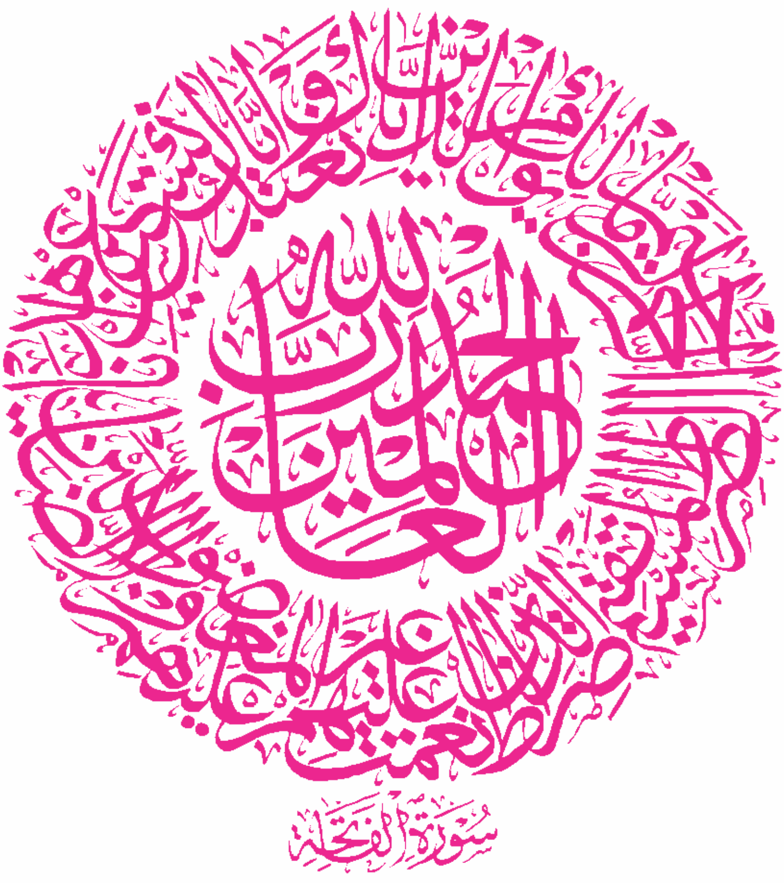
تعلیمی فراغت کے بعد آپ کے والدین نے ٹنکاریہ کی ایک خاتون سے آپ کا عقد نکاح کروایا دیا تھا، لیکن سوئے اتفاق سے پردے کے متعلق اختلاف ہونے کی وجہ سے شادی کے چھ ماہ بعد ہی طلاق ہوگئی، اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے مطالعہ، تعلیمی مصروفیت ہی سے اپنا عقد ثانی کرلیا تھا، اورتا وفات اسی طرح زندگی گذار کر "العلماء العزاب الذین اثروا العلم علی الزواج" کی فہرست میں اپنا نام شامل کرلیا تھا۔

نوٹ: شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالی نے ایک کتاب "العلماء العزاب الذین آثروا العلم علی الزواج" کے نام سے مرتب فرمائی ہیں جس میں ان علمائے متقدمین کا ذکر خیر کیا ہے جنہوں نے علمی مصروفیت کو ازدواجی زندگی پر ترجیح دی تھی۔ اس کتاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کا حلیہ

حضرت مفتی صاحب زیبا پست قد وقامت کے مالک تھے، ناک چپٹی اور بڑی تھی، کان درمیانی تھے، نہ زیادہ چھوٹے نہ زیادہ بڑے، دور سے آنکھیں چھوٹی نظر آتی تھی، ایک آنکھ کی بینائی کچھ کمزور تھی مگر دوسری آنکھ انتہائی تیز، خوردبین ودوربین تھی، ہونٹ قدرتی طور پر سرخی مائل تھے اور رخسار بھی کچھ کچھ گلابی انداز کے تھے جس پر نورِ حق کا غازہ ملا ہوا تھا، پیشانی چوڑی چکلی اور چمکدار تھی، جب کبھی گہری سوچ میں ہوتے تو پیشانی پر لکیریں کندہ نظر آتی؛ جس سے چہرہ کا حسن دوبالا ہوجاتا، چہرہ وجیہ و پُرتمازت، اور جاذب نظر تو تھا ہی معاً پر رعب بھی تھا۔

انداز گفتگو بہت حسین تھا، ایک ایک لفظ کو صاف بولنے کی کوشش کرتے، حسبِ حال لہجہ میں ملاحت وکرختگی سما جاتی، ''دال'' اور ''تاء'' کی ادائیگی میں بھروچی زبان غالب رہتی تھی، آخری عمر میں سر پر بال نہیں تھے، چال کی رفتار تیز اور متواضعانہ تھی، پورا قدم اٹھا کر چلتے تھے، ہاتھ کم دراز تھے مگر فیاضی میں دراز تر، جو دراز دستوں کو شرمسار کر دیتے، خوراک سادہ مگر عمدہ تھی، مرغن کھانوں سے کافی احتراز تھا، اسی طرح پوشاک بھی بہت سادہ تھی۔



فقہ کی میراث سے کھو دی

آہ! ابراہیم آچھودی

از: حضرت مولانا اقبال صاحب بوکڑا

استاذ حدیث وفقہ: دار العلوم گودھرا

چل دیا اک بے مثال آموزگار	غم سے فرقت کے ہیں آنکھیں اشکبار
الوداع مہدی حسن کے رازدار	پرتوِ کشمیری، دُرِّ روزگار
زُہد میں تھا وہ فقیر بے ہمال	کر گیا ہر قلب کو اب پُر ملال
قاضی اسماعیل کے روحانی لعل	تجھ سے راضی ہو خدائے ذوالجلال
رابع جی اور آپ دو خاصان خاص	راز ہائے صوفیہ کے غم شناس
سنگم دیوبند وندوہ کی اساس	ہجر سے سوزاں تری ہر عام وخاص
تیری تربت نور سے معمور ہو	دید سے فردوس بھی مسرور ہو
جام پیما تسنیم و کافور ہو	شیوہ تیرا ہم کو بھی مقدور ہو

نوٹ: اس مرثیہ میں ''خاصان خاص'' کے ذریعہ حضرت مفتی صاحبؒ کی سن وفات ۱۴۴۳ھ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ابجدی ترتیب کے مطابق اس لفظ کا عدد (۱۴۴۳) نکلتا ہے۔

باب سوم
تدریسی خدمات

تدریسی خدمات

حضرت مفتی صاحبؒ نے فراغت کے بعد سے تا وفات تدریس ہی کو اپنا مشغلہ بنایا، جس میں وہ مکمل یکسوئی کے ساتھ اور بلا کسی حبِ جاہ کے مصروف رہیں۔ ذیل میں آپ کی تدریسی سفر کی کچھ روداد پیش کی جارہی ہے:

(۱) دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد سن ۱۹۶۳ء میں آپ نے ایک سال ستپون گاؤں کے مکتب ''نورالاسلام'' میں ناظرہ پڑھایا تھا۔

(۲) سن ۱۹۶۴ء اور سن ۱۹۶۵ء دو سال ''دارالعلوم اشرفیہ راندیر'' میں خدمت انجام دی تھی۔

(۳) سن ۱۹۶۶ء میں ''جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل'' تشریف لے گئے اور یہاں ڈیڑھ سال یعنی سن ۱۹۶۷ء کے نصف تک خدمت انجام دی تھی۔

(۴) سن ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۷ء (تقریباً نو سال) ''مدرسہ عربیہ تعلیم المسلمین لوناواڈہ'' میں خدمت انجام دی تھی، یہاں دیگر کتابوں کے ساتھ ''مسلم شریف اور طحاوی شریف'' کا درس دیا تھا۔

(۵) سن ۱۹۷۸ء تا سن ۱۹۸۳ء (تقریباً پانچ سال) ''جامعہ امداد العلوم وڈالی'' میں خدمت انجام دی، یہاں آپ کے ذمہ ''ابوداؤد شریف، ترمذی شریف'' اور دیگر کتابیں تھیں۔

(۶) سن ۱۹۸۳ء تا دم وفات (۲۲، جمادی الاولی ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۶، دسمبر ۲۰۲۱ء) تقریباً اڑتیس سال (۳۸) اور پانچ ماہ ''جامعہ رحمانیہ دارالعلوم وناکپور گودھرا'' میں خدمات انجام دیں۔ (ہجری سن کے اعتبار سے گودھرا میں آپ کی مدت تدریس تقریباً چالیس سال (۴۰) ہوتی ہے۔)

اس طرح حضرت مفتی صاحبؒ کی کل مدت تدریس ساٹھ سال پر محیط ہے۔

گودھرا آکر یا تو حضرت مفتی صاحب کی کرامت ظاہر ہوئی یا جامعہ کی کرامت کہی جائے کہ حضرت مفتی صاحب اتنی استقامت کے ساتھ اس جامعہ میں رہے، ورنہ گودھرا آنے سے پہلے جن مدارس میں حضرت مفتی صاحب نے خدمات انجام دیں، اس کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کسی مدرسہ میں ۹ سال سے زیادہ نہیں ٹھہرے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی جامعہ میں تقرری کی سرگذشت

بانئ جامعہ رحمانیہ حضرت مولانا عبدالرحمن گونیا صاحبؒ اکثر بحیثیت ممتحن دارالعلوم لوناواڑہ تشریف لے جایا کرتے تھے، اس زمانے میں حضرت مفتی صاحب لوناواڑہ میں مدرس تھے، حضرت مفتی صاحب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے عاشق زار اور مولانا عبدالرحمن گونیا صاحب علامہ کشمیریؒ کے شاگرد! اسی کشمیری نقطہ پر ان دونوں حضرات کے تعلقات قائم ہوگئے تھے، قریبا ۱۰ سال تک ان دونوں حضرات میں بہت گہرے مراسم وروابط رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب ''دارالعلوم لوناواڑہ'' چھوڑ کر'' دارالعلوم وڈالی'' تشریف لے گئے تھے۔

کچھ مدّت کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمن گونیا صاحبؒ اور مولانا اسحاق عمرجی صاحبؒ حضرت مفتی صاحب کی ملاقات کے لیے وڈالی تشریف لے گئے، دوران گفتگو حضرت مفتی صاحب نے مولانا عبدالرحمن صاحب سے فرمایا کہ: اب میں نے وڈالی چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور میرا تقرر اپنی مادرِ علمی ''جامعہ حسینیہ راندیر'' میں ہو چکا ہے، مولانا عبدالرحمن صاحبؒ انتہائی زیرک، مردم شناس وموقع شناس آدمی تھے، فوراً حضرت مفتی صاحب سے فرمایا کہ: آپ جامعہ حسینیہ کے بجائے گودھرا تشریف کیوں نہیں لے آتے؟ حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ سے عرض کیا کہ ''میں گودھرا اس شرط پر آسکتا ہوں

کہ میں مکتب پڑھاؤں گا'' تو مولانا نے فرمایا: ہاں! مکتب پڑھانا! چناں چہ مفتی صاحب نے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کے ساتھ جو تعلقات تھے، اس بناء پر وعدہ کرلیا کہ میں ان شاء اللہ گودھرا آجاؤں گا۔

یہ امر بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ حضرت مفتی صاحب وڈالی میں ''ترمذی اور ابو داود'' کا درس دیتے تھے، اور ادارہ جما جمایا تھا، یہاں ایک ایسے ادارے میں آنے کی دعوت دی جارہی تھی جس کی نہ کوئی مستقل عمارت تھی اور نہ رہنے سہنے کا کوئی معقول انتظام! اور نہ بڑی کتابیں پڑھانے کا وعدہ! اس کے باوجود حضرت مفتی صاحب تیار ہوگئے، ورنہ عام طور پر آدمی جب ادارہ تبدیل کرتا ہے تو اس کے پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ جس ادارے میں؛ میں جارہا ہوں وہ ماقبل کے ادارے کے مقابلے میں زیادہ راحت رساں ہو اور وہاں بڑی کتابیں پڑھانے کا موقع ملے۔

قربان جاؤں! حضرت مفتی صاحبؒ کی کسر نفسی اور اخلاص وللّٰہیت پر!

حضرت مفتی صاحب کی ادارے میں آمد

حضرت مفتی صاحب حسبِ وعدہ رمضان ۱۴۰۳ھ کے بعد گودھرا تشریف لے آئے اور مولانا عبدالرحمن صاحبؒ نے تعلیم کا سلسلہ جہاں سے چھوڑا تھا، اسی سلسلہ کو جوڑتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے تعلیم کو آگے بڑھایا، حضرت مفتی صاحب کی آمد کے بعد تعلیمی اعتبار سے ادارے نے خوب ترقی کی، تعلیم کے درجات بڑھتے رہے اور بڑھتے بڑھتے تعلیم مشکوۃ کے درجے تک پہونچ گئی، اس دوران حضرت مفتی صاحب نے درجۂ مشکوۃ تک کی تمام فنون کی تمام کتابیں پڑھائیں۔

حضرت مفتی صاحب کا قیام ''مسجد ربانی'' گودھرا میں تھا، اور طعام کا نظم مولانا اسحاق عمرجی صاحبؒ کے گھر سے تھا، پانچ سال تک حضرت مولاناؒ نے مفتی صاحب کی خدمت

فرمائی، مولانا کے صاحبزادے حافظ سعید و حافظ شبیر کھانا پہنچانے کا شرف حاصل کرتے تھے۔

شروع میں اس مدرسہ میں صرف حضرت مفتی صاحب ہی مدرس تھے، پھر اس کے بعد ربانی مسجد میں ان کے ساتھ مولانا معراج صاحب ایلولوی، مولانا احمد گنگات اور مولانا عبدالستار بھٹوک صاحب نے بحیثیت مدرس خدمات انجام دی۔

۱۹۸۸ء تا ۲۰۱۸ء (یعنی تیس سال تک) جامعہ میں درجۂ مشکوۃ تک ہی تعلیم رہی، حضرت مفتی صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ یہاں طلبہ مشکوۃ تک پڑھیں، اس کے بعد دیوبند، مظاہر علوم یا کسی بڑے ادارے میں جاکر دورۂ حدیث پڑھیں، تاکہ علمی سطح بلند ہو اور ذہن میں وسعت پیدا ہو، اسی نظریہ کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب دورۂ حدیث کے لیے تیار نہیں ہورہے تھے، لیکن پھر حضرت مہتمم صاحب کے اصرار اور حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم کے مشورہ سے ۲۰۱۹ء میں دورۂ حدیث شروع کیا گیا اور حضرت مفتی صاحب جامعہ کے اول ''شیخ الحدیث'' منتخب ہوئے۔

دورۂ حدیث کے اس پہلے سال حضرت مفتی صاحب نے ''بخاری شریف جلد اول، جلد دوم مؤطین، طحاوی اور شمائل ترمذی'' کا درس دیا تھا، اور تمام کتابیں درایۃً مکمل پڑھائیں۔

الحمدللہ دورۂ حدیث کا یہ پہلا سال بحسن خوبی تکمیل کو پہنچا تھا، خوبی کی بات یہ ہے کہ صحاح ستہ درایۃً مکمل ہوئیں۔ (۲۰۱۹ء۔۲۰۲۰ء)

دوسرا سال یعنی ۱۴۴۱، ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۰ء میں کورونا کی وباء کی وجہ سے جامعہ میں شوال تا ربیع الثانی تعلیم موقوف رہی، جمادی الاولیٰ تا ذوالحجہ ۱۴۴۲ھ سال شمار کیا گیا، تعلیمی مدت کم ہونے کی وجہ سے بخاری شریف مکمل نہ ہوسکی، لیکن کتاب کا اکثر حصہ درایۃً ہوا تھا۔

تیسرا سال عیدالاضحیٰ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۰ء سے شروع کیا گیا، اور حسب سابق حضرت مفتی صاحب کے ذمہ بخاری شریف جلد اول، جلد دوم کے ساتھ مؤطین، طحاوی اور شمائل ترمذی

کے دروس تھے، جن میں سے تادم وفات حضرت مفتی صاحب نے مذکورۂ بالا کتابوں کے مندرجۂ ذیل حصے پڑھائے تھے:

(۱) **بخاری جلد اول** ۔از اول تا کتاب الجهاد: باب رد النساء والقتلى والجرحى (صفحہ اول تا صفحہ ۴۳۰)

(۲) **بخاری جلد ثانی** ۔از کتاب المغازی تا کتاب التفسير: باب سورة الماعون (صفحہ ۵۶۳ تا ۷۴۲)

(۳) **شمائل ترمذی۔مکمل**

(۴) **شرح معانی الآثار (طحاوی شریف)** از اول تا کتاب الطهارة باب مس الفرج هل يجب فيه الوضوء أم لا۔

(۵) **مؤطا امام مالک**۔درمیان سے تقریباً سوائے پچاس صفحات کے **مکمل**۔

(۶) **مؤطا امام محمد** ۔از اول تا کتاب العدة: باب المرأة تنتقل من منزلها قبل انقضاء العدة من موت أو طلاق **(از اول تا صفحہ:۲۶۹)**

باب چہارم

اصلاحی تعلق

اصلاحی تعلق

علم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ علم باطنی کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے اور وفات تک چند مشائخ سے آپ نے استفادہ فرمایا:

(۱) مسیح الامت حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ (خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے تین ماہ کے بعد یعنی تقریباً ۱۹۶۳ء میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم فرمالیا تھا۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کرنے کے بعد فرمایا کہ: آہستہ آہستہ انشاءاللہ ترقی ہوگی۔

رمضان، غیر رمضان میں وقتاً فوقتاً حضرت کے آستانے پر حاضر ہوکر اپنی اصلاح کرواتے رہیں اور معرفت خداوندی کے حصول اور تزکیۂ نفس میں مشغول رہیں۔

حضرت مفتی صاحب، حضرت مولانا مسیح اللہ رحمۃ اللہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ: حضرت انتہائی خوبصورت تھے، ایسا لگتا تھا کوئی تازہ سیب ہو، اور حضرت کو بہت جلد کشف ہوجاتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ: ایک مرتبہ میں حضرت کی مجلس میں شریک تھا، حضرت ایک کتاب کی تعلیم فرمارہے تھے، اسی دوران حضرت نے کتاب میں سے ایک واقعہ پڑھا، میرے دل میں فوراً خیال آیا کہ یہ واقعہ تو جھوٹا معلوم ہوتا ہے، حضرت کو فوراً کشف ہوگیا اور اسی وقت فرمانے لگے کہ ہاں! مولویوں کو سوائے اعتراض کے کیا آتا ہے؟ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے، مجلس کے ختم ہونے کے بعد میں اس مسجد میں چلا گیا

جہاں میرا قیام تھا، صبح حضرت تفریح فرماتے ہوئے اس مسجد میں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ: مفتی ابراہیم! کل مجلس میں آپ کے اعتراض کا جواب مل گیا نا!

دوسری اہم بات حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا مسیح اللہ کی خانقاہ کے بارے میں یہ فرمائی تھی کہ حضرت کے یہاں یہ اصول تھا کہ کھانے کے لیے خانقاہ میں فیس جمع کرانا ضروری تھا، اور جو آدمی شادی شدہ ہو یا اپنے گھر والوں کا نفقہ شرعاً ضروری ہو تو جتنے دنوں تک خانقاہ میں قیام کرنا ہو اتنے دنوں کا نفقہ سپرد کرکے ہی آوے، اور اگر اہلیہ ہے تو اسے اکیلا چھوڑ کر کوئی نہ آوے، کوئی محرم ضرور چھوڑ کر آوے۔

حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ کا انتقال ۱۷، جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳، نومبر ۱۹۹۲ء شب جمعہ میں ہوا تھا۔

اس اعتبار سے حضرت مفتی صاحب کو تقریباً ۲۹ سال تک ان سے متعلق رہنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

(۲) حضرت اقدس مولانا قاری صدیق احمد باندوی صاحبؒ۔

حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت مفتی صاحب، حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ سے بیعت ہوئے۔

بیعت ہونے کا واقعہ کچھ اس طرح پیش آیا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اسماعیل صاحب بھاگلیا دامت برکاتہم، حضرت مولانا محمد کنکوڑی صاحبؒ وغیرہ کو ایک دو سال میں ایک مرتبہ اپنے وطن آچھود لے جایا کرتے تھے، تقریباً ۱۹۹۳ء میں جب یہ تینوں حضرات آچھود میں تھے، اس وقت حضرت مفتی صاحب کو کسی نے بتایا کہ سورت میں قاری صدیق صاحب باندوی تشریف لائے ہیں، حضرت مفتی صاحب کو ابھی تک حضرت قاری صاحب کی زیارت وملاقات کا موقع نہیں ملا تھا، اس لیے حضرت مفتی

صاحب نے مولانا اسماعیل صاحب سے عرض کیا کہ سورت میں جو بزرگ تشریف لائے ہیں، انہیں گودھرا آنے کی دعوت دی جائے، حضرت مولانا اسماعیل صاحب اور مولانا محمد صاحب، حضرت قاری صاحب کو دعوت دینے کے لیے سورت تشریف لے گئے، ادھر حضرت مفتی صاحب نے خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ کسی عمارت کے زینے سے نیچے اتر رہے ہیں؛ اسی وقت کسی نے پیچھے سے حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ یہ ''شیخ ابن العربی'' ہیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

دوسری طرف حضرت قاری صاحب نے گودھرا تشریف لانے کی دعوت قبول فرمالی، حضرت مفتی صاحب بھی آچھود سے گودھرا تشریف لے آئے، جب حضرت قاری صاحب گودھرا تشریف لائے اور گاڑی سے نیچے اترے تو حضرت مفتی صاحب نے دیکھا کہ خواب میں جو بزرگ دکھائے گئے تھے ان کی شکل حضرت قاری صاحب سے بالکل مشابہ ہے۔

خیر! حضرت مفتی صاحب نے حضرت قاری صاحب سے بیعت کرنے کی درخواست کی، لیکن حضرت قاری صاحب نے اس وقت سکوت فرمایا، پھر رات چار بجے بلا کر بیعت کر لیا اور ذکر بالجہر کی دوازدہ تسبیح تلقین فرمائی۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے تھے کہ: حضرت قاری صاحب میرے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے اور بہت احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جب بھی ملاقات کے لیے جانا ہوتا تھا تو سب لوگوں سے تو بیٹھ کر مصافحہ فرماتے تھے، لیکن مجھے دیکھ لیتے تو کھڑے ہو کر مصافحہ اور معانقہ فرماتے تھے۔

لیکن۔۔۔ حضرت مفتی صاحب کو حضرت قاری صاحب کی طویل صحبت حاصل نہ ہوئی، اس لیے کہ بیعت ہونے کے تقریباً چار، پانچ سال کے بعد ہی ۲۸، اگست ۱۹۹۷ء میں حضرت قاری صاحب کا وصال ہو گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(۳) حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم۔

حضرت قاری صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہم العالی سے سن ۲۰۰۲ء میں اصلاحی تعلق قائم فرمالیا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہم العالی حضرت مفتی صاحب سے بے انتہاء محبت فرماتے تھے اور بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، ایک مرتبہ راقم الحروف حضرت مفتی صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ لکھنؤ سے کوئی مہمان آئے، انہوں نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہم العالی سے مل کر آیا، جب میں نے گجرات جانے کا ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا کہ: گودھرا ضرور جانا! وہاں مفتی صاحب ہیں، اصل تو مجھے ان سے بیعت ہونا تھا، لیکن وہ مجھ سے بیعت ہو گئے ہیں۔

اس واقعے سے حضرت مفتی صاحب کی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہم العالی کی نگاہوں میں کیا قدر ومنزلت تھی؟ اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک موقع پر جامعہ کی مسجد میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہم العالی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: آپ کے جامعہ میں ایک ایسے آدمی ہیں کہ مجھے خواہش ہوتی ہے کہ میں ان کی خدمت میں رہوں۔۔۔۔!

حضرت مفتی صاحب وقتاً فوقتاً حضرت مولانا کی زیارت وملاقات کے لیے ندوہ تشریف لے جاتے تھے، اور حضرت مولانا کا بھی جب بھی گجرات کا سفر ہوتا، گودھرا ضرور تشریف لاتے، اور ایک دو روز جامعہ میں قیام فرماتے۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

اجازت وخلافت

بیعت ہونے کے کچھ ہی مدت کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہم العالی نے حضرت مفتی صاحب کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، یہ ایک بڑی سعادت مندی کی بات ہے کہ عالم اسلام کی معتبر و معتمد شخصیت نے آپ پر اعتماد فرمایا۔

یہاں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کی طرف سے حضرت مفتی صاحب کو عطا کردہ تحریری اجازت نامہ درج کیا جاتا ہے، جس سے اندازا لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کا اپنے شیخ کی نگاہ میں کیا مقام و مرتبہ تھا!!

نوٹ: یہ اجازت نامہ استاذ محترم مولانا اختر صاحب ندوی مدظلہ العالی صاحب کے پاس محفوظ تھا، انہوں نے ہی ذرہ نوازی کی اور عنایت فرمایا۔ فجزاھم اللّٰہ خیرا

اجازت نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم ومخلص جناب مولانا مفتی ابراہیم صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ لکھنؤ تشریف لائے، بہت مسرت ہوئی، اور آپ جس محبت وتعلق کا معاملہ رکھتے ہیں؛ اس کی مجھ کو بڑی قدر ہے، ظاہر ہے کہ یہ تعلق ومحبت دین کی بناء پر ہے، آپ کو مجھ سے جو حسن ظن ہے؛ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے مطابق اور تمام حسن ظن رکھنے والے حضرات کے حسن ظن کے مطابق کردے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین، اخلاص عمل عطا فرمایا ہے، جس کا علم مجھے مختلف طریقوں سے علم ہوتا رہا ہے، اس کی بناء پر میں اپنے اُس حق کی بناء پر جو مجھے میرے مرشد "مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ" سے ملا ہے،

میں آپ کو اپنے سلسلہ میں اجازت دیتا ہوں، آپ دوسرے اہل ضرورت حضرات کی تربیت کریں اور بیعت بھی کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو ہر سوء و مکروہ سے محفوظ رکھے، اور آپ سے درخواست ہے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، اور حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل دونوں سے افادۂ عام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد رابع حسنی ندوی

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ (مطابق یکم جون، ۲۰۰۳ء)

دوسری اجازت

حضرت مولانا مطیع اللہ بھاگلپوری مدظلہم العالی (خلیفہ حضرت اقدس مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحبؒ) جو ہر سال ایک دن کے لیے گودھرا تشریف لاتے ہیں، اور حاجی احمد کوٹھی صاحب کے مہمان ہوتے ہیں، انہوں نے بھی حضرت مفتی صاحب کو بیعت ہوئے بغیر اپنے سلسلہ کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔

باب پنجم

تالیفات

تالیفات

حضرت مفتی صاحب کی توجہ زیادہ تر درسیات اور مطالعہ کی طرف رہی تھی، اس لیے تصنیفی وتالیفی امور کی طرف آپ کی توجہ کم رہی، ذیل میں آپ کی چند تالیفی امور کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ابن ماجہ کی شرح

حضرت مفتی صاحب نے ابن ماجہ کی عربی شرح کی تالیف کا کام شروع فرمایا تھا جو تقریباً مقدمہ تک پہنچا تھا، اس کے بعد چند اعذار کی وجہ سے یہ کام موقوف ہوگیا تھا، ابھی تک یہ حصہ بھی غیر مطبوع ہے۔

(۲) حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوریؒ

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کے تعارف کے لیے ایک سیمینار شاہ جہاں پور میں منعقد کیا گیا تھا، جس میں حضرت مفتی صاحبؒ کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے دعوت دی گئی تھی، اس سیمینار میں حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا اختر صاحب کے ساتھ شرکت کی تھی، اور ایک مقالہ حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ کی سوانح زندگی کے بارے میں پیش کیا تھا۔ یہ مقالہ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے۔

(۳) ایک عربی قصیدہ

حضرت مفتی صاحب نے گودھرا کے قدیم وجدید اکابر علماء اور کچھ خیر خواہان قوم کی شان میں عربی میں چند اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا تھا، جن سے حضرت مفتی صاحب کی ادیبانہ مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نور بدا فی ليلة ليلاء	فی غودرا من معشر الفضلاء
هدى للعمى والضلالة انمحت	من نورها الساطع للأحياء
جاشت قلوب فی زمان سالف	نشر العلم الدين والأعلاء
الشيخ إسحاق(۱) ذكى فاضل	طليعهم ذو همة شماء
وشيخنا گونيا(۲) زهيد قانع	متبسم فی الضر والسراء
الشيخ أبو العلاء(۳) وعبدل(۴) باتلی	سعيا لنهض الوطن فی الباساء
عبد المجيد(۵) القاسمی وابنه(۶)	صار حمى الدين فی الظلماء
ومحدثا عيسى(۷) مع الابن الكريم(۸)	سعيا لنور العلم فی الجهلاء
الشيخ چنتامن(۹) ومولانادری(۱۰)	كانا منن الفضلاء والصلحاء
وذوالحاجة شيخ موسى(۱۱) بيمری	سيف لدفع الكفر والاعلاء
وذو المآثر شيخ إسماعيل(۱۲) نقی	متجول لله فی الأرجاء
أحمد(۱۳) أدا وصديقه محمد بغو(۱۴)	ملجاء وماوى الناس والفقراء
وأخونا كنكورى(۱۵) وأحمدن(۱۶) الوفی	زين لأهل العلم والفضلاء
ومديرنا المخدوم مولانا بدها(۱۷)	فی كل أمر الدين من شركاء
وشيخنا متو(۱۸) ومولانا بلال(۱۹)	فی نشرعلم الدين كالجوزاء
وصديقنا الشيخ إبراهيم(۲۰) نقی	زهدا وتقوى أسوة الصلحاء
كم من حسينو(۲۱) قاطن من غودرا	لله نالوا الحر والرمضاء
وأخونا صابر(۲۲) ذو المآثر ذو التقی	دلال أمر الخير للجهلاء
ولانت أنت فی زمان سالف	كنز الدقائق معدن الفضلاء

ان مذکورہ اشعار میں جن حضرات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا اسحاق عمر جی صاحبؒ۔
(۲) مولانا عبدالرحمن گونیا صاحبؒ۔
(۳) مولانا اسحاق درگاہی صاحبؒ۔
(۴) حاجی عبداللہ عمر جی باٹلی والا صاحبؒ۔
(۵) مولانا عبدالمجید قاسمی صاحبؒ۔
(۶) مولانا یوسف قاسمی صاحبؒ۔
(۷) مولانا عیسی ہاتھی بھائی صاحبؒ۔
(۸) مولانا عبدالرحمن ہاتھی بھائی صاحبؒ۔
(۹) مولانا ابراہیم چنا من صاحبؒ۔
(۱۰) مولانا عیسی وڑی صاحبؒ۔
(۱۱) جناب موسیٰ ٹھمڑی صاحبؒ۔
(۱۲) مولانا اسماعیل بھاگلیا صاحب۔
(۱۳) مولانا احمد ادا صاحبؒ۔
(۱۴) جناب محمد بھگو صاحبؒ۔
(۱۵) مولانا محمد کنکوڑی صاحبؒ۔
(۱۶) مولانا احمد جوجارا صاحبؒ۔
(۱۷) مولانا یوسف بڈھا صاحب۔ (۱۸) مولانا عبدالستار بھاگلیا صاحب۔
(۱۹) مولانا بلال بدام صاحبؒ۔ (۲۰) جناب حاجی ابراہیم عمر جی صاحبؒ۔
(۲۱) جناب حاجی حسین پٹیل صاحبؒ، جناب حاجی حسین چھوٹگا صاحبؒ، مولانا حسین غازیؒ صاحب مولانا حسین عمر جی صاحبؒ۔ (۲۲) مولانا صابر دلال میر پوری صاحبؒ۔

باب ششم

حضرت مفتی صاحب اکابر کی نگاہ میں

حضرت مفتی صاحب اکابر کی نگاہ میں

آدمی کے عنداللہ مقبول ہونے کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وقت کے علماء اور صلحاء کی نگاہ میں وہ مقبول ہو اور یہ علماء وصلحاء اس کے تقوی وطہارت کی گواہی دیتے ہو۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس خصوصیت میں بھی ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے، جس کا اندازہ مندرجۂ ذیل اقوال سے بخوبی ہوگا:

(۱) حضرت اقدس مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم العالیہ

(الف) ادھر دو سال کے اندر بڑی قیمتی اور ممتاز شخصیات دنیا سے رخصت ہوئیں، اور امت کو بڑے خسارے کا احساس ہوا، انہی شخصیات میں صاحب تقوی اور اخلاص مولانا مفتی ابراہیم صاحب کی شخصیت بھی ہے، جنہوں نے اس دور میں مخلصانہ اور مشفقانہ زندگی کی ایسی مثال پیش کی کہ جس کو بھی ان سے سابقہ پڑا اس نے فی زمانہ ایسے افراد بہت کم دیکھے، اور انہوں نے علم وتقوی کے نمونے پیش کیے، ان کی زندگی میں جو حزم واحتیاط تھا، وہ ان کے پورے طرز معاشرت سے معلوم ہوتا تھا۔

گودھرا کے مدرسہ میں اپنی علمی خدمات آخری دم تک پیش کرتے رہے، پوری زندگی اپنے اہل تعلق کے ساتھ مخلصانہ اور مشفقانہ رویہ کا قابل تقلید نمونہ پیش کیا، مجھ جیسے اشخاص جو گودھرا سے بہت فاصلہ پر رہتے ہیں، ان کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ رکھا جیسا اپنے عزیزوں کے ساتھ رکھا جاتا ہے، وہ خود بھی وقتاً فوقتاً ندوہ تشریف لاتے اور مشفقانہ ملاقات کا مقصد ہوتا، اور اتفاقاً وہاں جانا ہوتا تو اس دینی محبت کا پورا مظاہرہ ہوتا۔ (بشکریہ: تعمیر حیات، لکھنؤ: ۱۰، جنوری ۲۰۲۲)

(ب) ایک مرتبہ راقم الحروف حضرت مفتی صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ لکھنؤ سے کوئی مہمان آئے، انہوں نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہم العالی سے مل کر آیا، جب میں نے گجرات جانے کا ذکر کیا تو

حضرت نے فرمایا کہ: گودھرا ضرور جانا! وہاں مفتی صاحب ہیں، اصل تو مجھے ان سے بیعت ہونا تھا، لیکن وہ مجھ سے بیعت ہو گئے ہیں۔

(ت) ایک موقع پر جامعہ کی مسجد میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہم العالی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: آپ کے جامعہ میں ایک ایسے آدمی ہیں کہ مجھے خواہش ہوتی ہے کہ میں ان کی خدمت میں رہوں۔۔۔۔

(ث) حضرت مفتی امین صاحب مدظلہ العالی ناقل ہیں کہ: میں نے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہم العالی سے بارہا سنا کہ: مفتی صاحب! اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ خاص معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ خاص معاملہ ہے۔

(ج) حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفتی صاحبؒ کو جو تحریری اجازت نامہ عنایت فرمایا تھا اس کے ایک ایک لفظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کا اپنے شیخ کی نگاہ میں کیا مقام تھا!

محترم ومکرم ومخلص جناب مولانا مفتی ابراہیم صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ لکھنؤ تشریف لائے، بہت مسرت ہوئی، اور آپ جس محبت وتعلق کا معاملہ رکھتے ہیں اس کی مجھ کو بڑی قدر ہے، ظاہر ہے کہ یہ تعلق ومحبت دین کی بناء پر ہے، آپ کو مجھ سے جو حسن ظن ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے مطابق اور تمام حسن ظن رکھنے والے حضرات کے حسن ظن کے مطابق کر دے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین، اخلاص عمل عطا فرمایا ہے، جس کا علم مجھے مختلف طریقوں سے علم ہوتا رہا ہے، اس کی بناء پر میں اپنے اُس حق کی بناء پر جو مجھے میرے مرشد ''مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ'' سے ملا ہے، میں آپ کو اپنے سلسلہ میں اجازت دیتا ہوں، آپ دوسرے اہل ضرورت حضرات کی تربیت

کریں اور بیعت بھی کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو ہر سوء و مکروہ سے محفوظ رکھے، اور آپ سے درخواست ہے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، اور حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل دونوں سے افادۂ عام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد رابع حسنی ندوی

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ (مطابق یکم جون، ۲۰۰۳ء)

(۲) حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ

''اگر کسی طالب علم کو ترمذی شریف پڑھنی ہو تو راندیر اشرفیہ میں مولانا حبیب صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کے پاس چلے جائیں اور مشکوۃ شریف پڑھنی ہو تو گودھرا میں مفتی ابراہیم صاحب آچھود کے پاس چلے جائیں۔'' (ناقل: مولوی محمد شہزادی زید مجدہ)

(۳) حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ

دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں، میں جب عربی ششم (مشکوۃ) کا طالب علم تھا، اس وقت حضرت مولانا ابراہیم صاحب مدرس ہو کر وہاں تشریف لائے تھے، اور یہ ان کی تدریسی زندگی کی ابتداء تھی، اسی وقت سے ان کے ساتھ محبت و اکرام کا تعلق تھا، ان سے کوئی کتاب پڑھنے کی نوبت تو نہیں آئی؛ لیکن میں ان کا ادب و احترام استاذ ہی کی طرح کرتا تھا۔

مولانا علم دوست آدمی تھے، ان کی کوئی ملاقات ایسی نہیں ہوئی جس میں انہوں نے ایک یا چند علمی نکات نہ سنائے ہوں، ان کی تدریسی زندگی تقریباً ساٹھ سال کی ہوتی ہے، آپ خالص درس و تدریس کے آدمی تھے، آپ کی صحبت میں بیٹھ کر علمی ذوق اور کتابوں سے مناسبت پیدا ہوتی تھی، حضرت مولانا کی وفات پوری علمی برادری کے لیے عموماً اور دارالعلوم گودھرا کے لیے خصوصاً بہت بڑا صدمہ اور علمی خسارہ ہے، ان کے مرنجاں مرنج مزاج کی وجہ

سے طلباء بھی مانوس رہ کر استفادہ کرتے تھے۔ (تعزیتی گرامی نامہ)

(۴) حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ اپنے شاگرد حضرت مفتی صاحب کے بہت مداح تھے اور آپ کو لائق وفائق سمجھتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ: جب حضرت حق جل مجدہ مجھ سے پوچھیں گے کہ دنیا سے کیا لائے ہو تو میں "آچھودیا" (مفتی ابراہیم صاحبؒ) کو پیش کروں گا۔

یہ جملہ گفت وشنید میں بڑا مختصر اور معمولی لگتا ہے، مگر ذرا سوچیے! یہ جملہ کوئی معمولی شخص نہیں کہہ رہا، ایک ایسا شخص جس نے ہزاروں طلبہ کی علمی تشنگی بجھائی ہو، جس نے ہزاروں کو تفسیر اور حدیث کا درس دیا ہو، جس نے دنیا کے مختلف ملکوں کا سفر کیا ہو اور بڑے بڑے بزرگانِ دین اور اہل اللہ کی ملاقاتیں کی ہو اور ان سے شاہ صاحبؒ کا تعلق رہا ہو، اس کے باوجود حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ کہنا کہ میں بارگاہِ ایزدی میں مفتی صاحبؒ کو پیش کروں گا، یہ بہت بڑی بات ہے۔

اس کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ درس میں بھی کئی مرتبہ مفتی صاحبؒ کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ مفتی صاحبؒ سے سنی ہوئی کچھ باتیں بھی کبھی کبھی درس میں سنایا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی دورانِ درس کوئی ایسی بات آجاتی کہ جس پر کوئی اعتراض وارد ہوا ہو تو شاہ صاحبؒ ہم گودھرا کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے از راہِ مزاح فرماتے "آچھودیا مجذوب" کو خط لکھ کر اس اعتراض کا جواب پوچھو!

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ نے ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ سے تاکیدی طور پر کہا کہ میں بحیثیت استاد آپ کو حکم کرتا ہوں کہ: ''آپ وقف دارالعلوم دیوبند میں ترمذی شریف پڑھانے کے لیے تشریف لے آئیں'' (ناقل: مولانا سفیان بڈھا صاحب زید مجدہ)

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ: مسرت کی بات یہ ہے کہ مفتی ابراہیم صاحب جیسی علم دوست، علم پرور، علم ریز شخصیت مدرسہ کو مل گئی؛ جن کی طلب علم وحرص اشاعت علم سے درسگاہ کا مستقبل تابناک ہے۔

خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ عزیز گرامی قدر مفتی مولانا ابراہیم صاحب آچھودی صاحب جیسا چار رکن بحیثیت استاذ اعلیٰ ہیں جو ہمیشہ کے لیے یہاں پڑ گئے۔ (تاریخ جامعہ دار العلوم وناکپور: ۱۶۸)

(۵) حضرت مولانا مفتی سلمان منصوری پوری صاحب مدظلہم العالی

آپ واقعی پرانے اکابر کی یادگار، تواضع اور سادگی کے پیکر اور متبحر عالم دین تھے، پوری زندگی درس وتدریس اور علمی افادہ واستفادہ میں گزاری، علمی استحضار غیر معمولی تھا، فقہ وفتاوی پر بھی گہری نظر تھی، اخلاق فاضلہ بالخصوص زہد اور ورع وتقوی میں اپنی مثال آپ تھے، علمی اشتغال کے ساتھ جذبۂ عبادت بھی قابل رشک تھا، ضعف کے باوجود تادم آخر اپنے معمولات کے پابند رہے، اور دنیا میں ایک مسافر کی طرح زندگی گذاری، اور حدیث مبارک "كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل" کے مصداق بنے رہے۔

معاملات کی صفائی اور اتباع سنت میں آپ ممتاز درجہ پر فائز تھے، آپ کی زندگی کے روشن نقوش بعد والوں کے لیے مشعلِ راہ بنتے رہیں گے، ان شاء اللہ تعالی۔ (بشکریہ ماہنامہ: ندائے شاہی۔ فروری، ۲۰۲۲ء)

(۶) حضرت مولانا سید سلمان صاحب ندوی مدظلہم العالی

مولانا نے ایک طویل عمر اس طرح گذاری کہ علم دین کے لیے زندگی وقف کردی، طالب علمی کا دور ہو یا تدریس کا دور ہو، اور تزکیہ اور اصلاح نفس کے معاملات ہو، ایسا لگتا تھا کہ مولانا علم دین کے لیے ہی پیدا کیے گئے تھے اور خدمت دین کے لیے وقف کردئے گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے مولانا کے اندر ایسی عبدیت، زہد، تقوی، اور صفات خیر رکھی تھی، جو چھلکتی

تھی، دِکھتی تھی، جھلکتی تھی، جو بھی ان کے پاس بیٹھے تو یہ محسوس کر لیتا تھا کہ علم نبوی کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ایک انسان ہے، جس کی سیرت بڑی پیاری ہے، جس کے اخلاق بڑے عالی ہے، جس کا علم راسخ ہے اور جو شریعت کو اچھی طرح جانتا ہے سمجھتا ہے، لیکن اس کی زندگی ایک سادہ سا مسلمان کی ہے، جو ایک مؤمن کی صفات ہوتی ہے، ان صفات کا وہ ایک بڑا اچھا مرقع تھے۔

ہم تو ظاہر کو دیکھنے والے لوگ ہیں اور کسی کے ظاہر سے ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے باطن کو کیا نور عطا فرمایا ہے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے ولی تھے وہ عالم ربانی تھے، وہ مخلص و صادق تھے، بہت ہی منکسر المز اج تھے، ان کے چہرے پر مومنانہ مسکراہٹ رہتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ علم کا اعتماد اور اطمینان رہتا تھا۔

مولانا صرف علمی اشتغال والے آدمی نہیں تھے، بڑے زبردست ان کے معمولات تھے، فجر کے بعد سے اشراق تک اور اس کے بعد دن کے مختلف اوقات میں اذکار و اوراد، درود شریف اور مختلف دعاؤں کا بڑا اہتمام تھا، یعنی واقعہ یہ ہے کی مولانا ایک طرف علم کے لیے وقف تھے اور دوسری طرف عبادت ان کی پہچان تھی۔ (ترا ھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللّٰہ ورضوانا) صحابۂ کرام کی یہ جو صفات بیان کی گئی وہ صفات جن بندوں میں اللہ تعالیٰ ودیعت فرماتا ہے کہ ان کو آپ نماز میں دیکھئے اور ذکر کے ساتھ دیکھئے، اللہ کی رضا کی طلب میں دیکھئے، وہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ اللہ ان سے راضی ہو جائے اور نبی سے قرب حاصل ہو، یہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے بندوں کو امتیاز عطا فرمایا ہے اور اللہ نے مولانا مفتی ابراہیم صاحب کو بھی یہ امتیاز عطا فرمایا تھا، یہ خصوصیت ایسی فرمائی تھی کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک ربانی عالم تھے۔ (ویڈیو بیان سے ماخوذ)

(۷) حضرت مولانا سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (دارالعلوم وقف دیوبند)

حقیقت واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ جد مکرم حضرت

حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کے دورِ مسعود سے تین نسلوں پر محیط مخلصانہ ومحبانہ، بزرگانہ ومشفقانہ بے لوث تعلق میرے لیے ان کی دعاؤں کا ایک بے حد قیمتی وسیلہ تھا جس سے محرومی کا احساس فکر وخیال میں ایک طویل عرصہ تک جاگزیں رہے گا۔

کسی بھی مومن کی موت کا ہرگز صدمہ نہیں ہوتا ہے کیوں کہ از روئے فرمان نبوی ﷺ موت تو مومن کے لیے تحفہ ہے، اور اسی میں آخرت کی ابدی زندگی کی شمار وقطار سے ماوراء بشارتیں پنہاں ہیں، قلق وافسوس تو اس امر کا ہوتا ہے کہ رخصت پذیر شخصیت سے ہمارا محبتوں کا دعاؤں کا اوران کی سکون آمیز سرپرستی کا تعلق منقطع ہوجاتا ہے، اور ایسے مواقع پر طبیعت کا اضمحلال اور افسردگی بشری فطرت وطبیعت کا لازمی نتیجہ ہے، بناء بریں میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ کا پیش آمدہ سانحۂ مفارقت صرف اہلِ گجرات کے لیے ہی نہیں بلکہ ملک وبیرون ملک ان سے علمی وعملی فیض پانے والے اصحابِ علم سمیت متعدد علمی دوائر واجتماعیات اوران کے حلقۂ اثر سے استفادہ کا تعلق رکھنے والے عامۃ الناس کے لیے بھی ایسی لائق قدر علمی شخصیت کے فیض سے محروم ہوجانا ایک بڑا حادثہ اور صدمہ ہے۔ (تعزیتی گرامی نامہ سے ماخوذ)

(۸) حضرت مولانا سیّد احمد خضر شاہ مسعودی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بلاشبہ حضرت کا وجود مسعود کائنات علم کی امانت اور اکابر صوفیاء وخانقاہوں کی رونق تھا، حضرت مرحوم اپنے سادہ مزاج اور فطری مذاق کے اعتبار سے اکابر کی نشانی تھے، وہ دار العلوم دیوبند کے بلند پایا فرزند اور اونچی روایات کے امین تھے۔

والد مرحوم فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمہ سے ان کو خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا، اس نسبت سے وہ احقر سے بے پناہ تعلق رکھتے، حضرت مرحوم کا حادثۂ فاجعہ نہ صرف دار العلوم، وناکپور، گودھرا کا نقصان ہے، بلکہ گودھرا اور پورے خطۂ گجرات کا اور علمی درس گاہوں کا عظیم خسران ہے، بلاشبہ یہ احقر کا بھی ذاتی صدمہ ہے۔

بابِ ہفتم
امتیازات وخصوصیات

امتیازات وخصوصیات

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک ولی صفت، خدا رسیدہ بزرگ تھے، علمی وعملی رسوخ، ورع، تقوی، استغناء، زہد، اخلاص، للّٰہیت، اتباعِ سنت، تواضع، ملنساری، سادگی، خوش اخلاقی، ظرافت، مہمان نوازی، چھوٹوں پر شفقت، اپنے اساتذہ و اکابر کے ادب و احترام، طلباء پر مہربانی، جود وسخا، فناء فی اللہ جیسے اوصاف کے مجسم پیکر تھے۔ اس باب میں حضرت مفتی صاحب کے انہی امتیازات وخصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس باب میں اپنے کچھ تاثرات کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کے سانحۂ ارتحال کے بعد لکھے گئے مضامین کے گلدستہ بنام "حضرت مفتی ابراہیم صاحب آچھودیؒ مقالات ومضامین کے آئینہ میں" سے عطر کشید کر کے پیش کیا گیا ہے، جن حضرات کے مضامین سے باتیں نقل کی گئی ہیں؛ ان کے اسمائے گرامی کی صراحت کر دی گئی ہے۔

کتب بینی

عربی زبان کے نامور شاعر متنبی کے ایک شعر کا مصرع ہے "وخیر جلیس فی الزمان کتاب" کہ زمانہ میں بہترین ہمنشین کتاب ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کو کتاب کی لت لگ گئی تو لگ گئی، پھر یہ لت کسی نشے سے کم نہیں ہوتی اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جس کو کتاب کا چسکا لگ گیا پھر نہ اس کو تنہائی ستاتی ہے، نہ ویرانے میں وہ اکتاتا ہے، ایسے شخص کے لیے پھر کتابیں ہی اوڑھنا بچھونا بن جاتی ہے، پھر اس کا اور کتاب کا لیلی ومجنوں جیسا تعلق ہوجاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کا تعلق مفتی صاحبؒ اور کتابوں کا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کے مطالعہ کا شوق ان کے اس بیان سے بھی آپ لگا سکتے ہیں جو

حضرت کبھی کبھی دوران درس سنایا کرتے تھے کہ جن دنوں قُویٰ مضبوط تھے ان دنوں اس طرح مطالعہ کرتے تھے کہ مغرب کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر آرام کر لیتا تھا اور عشاء کی نماز کچھ تاخیر سے پڑھتا تھا، اس کے بعد چائے پی کر کتاب لے کر بیٹھتا تھا تو فجر کی اذان تک پڑھتا رہتا تھا، اور مدتوں یہ معمول رہا۔

مفتی صاحبؒ صرف درسی ہی نہیں بلکہ ہر فن کی کتاب پر نظر رکھتے تھے اور ہر فن کی کتابیں پڑھتے تھے، ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ جب آدمی بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اس کو چھوٹے رسائل، ماہانہ رسائل ومیگزین پڑھنے میں بہت کم دلچسپی رہ جاتی ہے کیوں کہ اس کا مطالعہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے مضامین میں ان کو کوئی ندرت یا کوئی نئی بات جاننے کو نہیں ملتی، مگر مفتی صاحبؒ کا معاملہ بالکل برعکس تھا، ان کو جب کوئی نیا چھوٹا رسالہ یا کوئی ماہانہ میگزین بھی مل جاتا تو مفتی صاحبؒ اس کو بھی دیکھتے تھے، پھر گاہ بہ گاہ ان رسائل ومیگزین کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے۔

ٹھیک اسی طرح جب کوئی استاد علیا کی کتابوں تک پہونچ جاتا ہے پھر اس کا نیچے کے درجوں کی کتابوں کے ساتھ رابطہ ایک طور پر کٹ جاتا ہے اور پھر اس کو ان کتابوں کا اتنا استحضار بھی نہیں رہ پاتا، مگر مفتی صاحبؒ پچھلے پچیس تیس سال سے علیا کی کتابیں پڑھاتے رہے مگر نیچے کے درجوں کی کتابوں کا اتنا استحضار تھا کہ کتاب کے متن کے ساتھ ساتھ کتاب کے حاشیے کا حوالہ بھی بے تکلف دیتے تھے، اور اس میں مفتی صاحبؒ کو تھوڑا بھی تعب نہیں کرنا پڑتا تھا۔

ایک بار میرے ذہن میں بار بار ایک بات کھٹکتی رہی کہ اللہ تبارک وتعالی کے لیے اردو میں لفظ "خدا" استعمال ہوتا ہے، آیا یہ درست ہے کہ نہیں، کیوں کہ لفظ "خدا" کا ترکیبی معنی ہوتا ہے کہ خود وجود میں آنا، اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے عدم لازم آتا ہے، ایک بار میں

نے اپنی اس دماغی خلش کو مفتی صاحبؒ کے سامنے بیان کیا، مفتی صاحبؒ نے فی الفور ایک لمحے کی دیر کیے بغیر فرمایا کہ: گلستاں کے حاشیہ پر اس اعتراض کا جواب موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جب لفظ "خدا" بولا جائے تو پھر اس کا ترکیبی معنی مراد نہیں ہوگا۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ کہاں بڑی بڑی کتابوں میں دن رات گم رہنے والا اور کہاں ابتدائی درجے کی کتاب کے حاشیہ کا حوالہ۔

مزید مفتی صاحبؒ کے سامنے کسی موضوع یا کسی کتاب کا تذکرہ چھڑ جاتا پھر دیکھنے والا معاملہ ہوتا، مفتی صاحبؒ کی زبان مبارک کسی مشین کی طرح اس موضوع یا اس کتاب کے متعلق چلنا شروع ہوجاتی، اس موضوع میں کس نے کیا لکھا ہے، کس کتاب میں کونسی بحث اچھے سے حل کی گئی، مفتی صاحبؒ ایک سیل رواں کی طرح اس پر بولتے، اور سامنے والا اگر باذوق ہوتا تو وہ اپنے موضوع پر اچھا خاصہ ذخیرہ سمیٹ کر اٹھتا۔

اسی پس منظر میں مفتی صاحبؒ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے تھے، غالباً مفتی صاحبؒ پہلی مرتبہ حج پر تشریف لے گئے تھے اس وقت کا واقعہ ہے کہ واپسی میں جدہ کے ہوائی اڈے پر کسی وجہ سے مفتی صاحبؒ کا پاسپورٹ لے لیا گیا اور دفتر میں چلا گیا، ہوائی اڈے کے عملے سے بات چیت کرنے پر پتہ چلا کہ پاسپورٹ حاصل کرنے کے لیے ہوائی اڈے کے دفتر میں جانا ہوگا، مفتی صاحبؒ جب دفتر میں تشریف لے گئے تو دفتر کے جس صاحب سے بات کرنی تھی، اس صاحب کی میز پر علامہ ابن رجب حنبلیؒ کی کوئی کتاب رکھی ہوئی تھی، مفتی صاحبؒ کی نظر اس کتاب پر پڑ گئی تو مفتی صاحبؒ اپنا پاسپورٹ بھول گئے اور کتاب اٹھا کر اس کی معمولی ورق گردانی کی اور پھر کتاب کے متعلق اس صاحب کو فرمانے لگے کہ اس کتاب میں فلاں جگہ یہ بحث بہت اچھی ہے، اس کتاب میں یہ چیز اچھی بیان کی ہے، فلاں اور فلاں۔ یوں مفتی صاحبؒ نے کتاب کے اچھے خاصے موضوعات کو بیان کردیا، اب وہ

صاحب بھی مفتی صاحب کی باتیں غور سے سننے لگا، اس کو تو بغیر مطالعہ کے کتاب کا لُب لباب مل رہا تھا، ذرا غور کریں کہ کہاں ایک حنفی المسلک عالم اور حنبلی کتاب پر بات چیت اور اس کے مباحث پر سیر حاصل تبصرہ۔

پھر اس نے مفتی صاحبؒ سے دریافت کیا کہ آپ عالم ہو؟ تو مفتی صاحبؒ کے کسی ساتھی نے بتایا یہ صاحب افتاء ہے۔ اس کے بعد ان صاحب نے مفتی صاحبؒ سے پوچھا کہ آپ میرے دفتر میں کیوں تشریف لائے ہو؟ تب جا کر مفتی صاحبؒ کو خیال آیا کہ بھائی ہم تو پاسپورٹ کا معاملہ نمٹانے یہاں آئے ہیں۔ ان صاحب نے بڑے اکرام واحترام کے ساتھ معاملہ نمٹا کر مفتی صاحبؒ کو پاسپورٹ واپس کر دیا۔ یہ ہوتا ہے ایک کتاب دوست کا معاملہ۔ (مولانا سفیان صاحب بڈھا)

مضامین کا استحضار

مفتی صاحبؒ صرف رسمی مطالعہ نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپ بڑی گہرائی وگیرائی سے مطالعہ فرماتے تھے، اور قدرت کی طرف سے حافظہ بھی کمال کا عطا ہوا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ مفتی صاحبؒ کو پڑھے ہوئے مضامین کا خوب استحضار رہتا تھا، بارہا تجربہ ہوا کہ جب مفتی صاحبؒ سے کسی مسئلہ میں یا کسی علمی بات میں استفسار کیا جائے تو مفتی صاحبؒ معاً جواب دے دیتے، ایسا معلوم ہوتا کہ گویا ماضی قریب میں یہ مسئلہ نظر سے گذرا ہو، مگر اس وقت مفتی صاحب اپنی عادت کے مطابق اس بات کے ذیل میں کتابوں کی نشاندہی شروع کرتے کہ فلاں صاحب نے اپنی کتاب میں اس کے بارے میں اچھی بحث کی ہے، فلاں کتاب میں یہ بات اچھے سے حل کی گئی ہے، پھر فرماتے کہ: میں نے یہ کتاب لوناواڈہ کے قیام کے دوران دیکھی تھی یا وڈالی کے قیام کے زمانے میں پڑھی تھی، مطلب وہ کتاب مفتی صاحبؒ کی نظر سے پچیس تیس سال پہلے گذری ہوئی ہوتی تھی۔ (مولانا سفیان صاحب بڈھا)

علمی رسوخ

علمی رسوخ کا یہ عالم ہے کہ منقولات ومعقولات کتابیں آخری عمر تک مستحضر رہی، کون سی کتاب میں کون سی بحث کو اچھی طرح حل کیا گیا ہے، اور کون سی کتاب میں کون سی بحث ہے؟ یہ باتیں تو نوک زبان ہوتی تھی۔

جب کسی مسئلہ کو دیکھنے کے لیے کوئی کتاب منگواتے تھے تو سیکنڈوں میں مطلوبہ عبارت تک پہنچ جاتے تھے، بلکہ بہت سی مرتبہ یہ بھی مشاہدہ ہوا کہ کتاب اٹھا کر اپنے اندازے سے کھولتے تھے تو سیدھے وہی صفحہ کھلتا تھا جو مطلوب ہوتا تھا۔

جب کوئی نیا مسئلہ پیش کیا جاتا تھا تو فوراً فرماتے تھے کہ: یہ مسئلہ ھدایہ کی فلاں دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب حوالہ کی خاطر کوئی کتاب منگواتے تو الماری کا نمبر، خانہ نمبر، سب بتا کر کتاب منگواتے اور مطلوبہ حوالہ نکال پڑھ کر سناتے تھے اور پھر فرماتے تھے کہ یہ کتاب دس سال پہلے دیکھی تھی، کسی کتاب کے بارے میں فرماتے بیس سال پہلے دیکھی تھی۔

کبھی کبھار اپنی اس ذہانت کو حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کا قصہ سنا کر بتا جاتے اپنے نام کی صراحت نہیں کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کے کتابوں کے نام لینے اور مختلف ابحاث کے لیے کتابوں کی طرف رہنمائی کرنے سے آپ کے وسعت مطالعہ اور علمی رسوخ کا اندازا ہوتا تھا کہ جوانی میں کس قدر انہماک اور دلجمعی کے ساتھ ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا!!

اساتذۂ کرام کا ادب واحترام

حضرت مفتی صاحب اپنے اساتذۂ کرام بلکہ استاذ زادوں کا احترام دل سے کرتے

تھے، حضرت مفتی صاحب کا اپنے اساتذۂ کرام کا ادب صرف یہاں تک محدود نہیں تھا کہ بالمشافہ ملاقات پر ادب سے بات چیت کر لی اور بس، بلکہ اپنے اساتذہ کا وقیع تذکرہ، ان کی خصوصیات کا برملا اعتراف، کون سے استاد کس فن میں مہارت کے حامل اور اپنی بساط کے مطابق ہدیہ بھیج کر اپنے تعلق کو مزید مضبوط کیا کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ ہر وارد وصادر کے ساتھ اپنے اساتذۂ کرام اور اساتذۂ کرام کے صاحبزادگان کو سلام ودعا اور ہدایہ ارسال فرماتے رہتے تھے، حضرت مفتی صاحبؒ کی طبیعت میں تصنع نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں، مفتی صاحبؒ بڑے بے تکلف واقع ہوئے تھے، اسی لیے مفتی صاحب کے ہدایا بھی اس طرح کے ہوا کرتے تھے، جو رقم میسر ہوتی؛ وہی ارسال فرما دیتے، دس روپئے، بیس جیسی معمولی مقدار اور کبھی میسر ہوتے تو کثیر مقدار ارسال فرمانے سے بھی دریغ نہیں فرماتے تھے، دارالعلوم دیوبند کے اساتذۂ کرام میں بطور خاص حضرت مولانا اسلم صاحبؒ، حضرت مولانا سالم صاحبؒ حضرت مولانا خورشید صاحبؒ، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری صاحبؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ، حضرت مولانا سفیان صاحب وغیرہ حضرات کو ہدایا بھیجا کرتے تھے۔

مولانا سفیان بڈھا صاحب زید مجدہ ناقل ہیں کہ: ایک بار مجھے علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے پوتے یا نواسے بنام بھائی عمران کے لیے کچھ رقم دی کہ ان کو پہونچا دینا! اب میں شش و پنج میں پڑ گیا کہ میں نے نہ کبھی بھائی عمران کا نام سنا تھا اور نہ میں ان کو جانتا تھا، اب میں دیوبند پہونچا، وہاں بھی کچھ ملنے والے حضرات سے پوچھا مگر بھائی عمران مل نہیں رہے تھے، پھر میں نے اپنے ایک استاد مفتی انوار صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ بھائی عمران تو وقف دارالعلوم کے دفتر تنظیم وترقی میں پیشکار رہے، جب میں نے بھائی عمران کو وہ رقم پہونچائی اور مفتی صاحب کا تعارف کروایا تو وہ آبدیدہ ہو گئے کہ نہ میں ان کو جانتا ہوں اور نہ

ان کے بارے میں مجھے کچھ یاد ہے، مگر ان مفتی صاحب نے میری نسبت کی کیسی لاج رکھی! اس کے بعد جب تک دیوبند میں قیام رہا بھائی عمران برابر حضرت مفتی صاحبؒ کی خیریت دریافت کیا کرتے تھے۔

ایک بار اسی طرح میں مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کی خدمت میں ہدیہ لے کر پہونچا تو مولانا سالم صاحبؒ بہت ہی خوش ادا سے فرمانے لگے کہ یہ اصل ہدیہ ہے، اس میں مفتی صاحب کا اخلاص صاف جھلکتا ہے، اس کے بعد تو جب بھی مولانا سالم صاحبؒ سے ملاقات ہوتی تو مفتی صاحب کے بارے میں دریافت کرتے اور کبھی کبھی تو پوچھ بھی لیتے کہ مفتی صاحب نے کچھ بھیجا ہے؟ یہ مفتی صاحب کے اخلاص کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ سامنے سے پوچھتے تھے۔ وَلی را وَلی می شناسَد۔

مفتی صاحب اپنے اساتذہ میں سے مولانا انظر شاہ کشمیریؒ اور مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ کا بہت زیادہ تذکرہ کیا کرتے تھے، مولانا نصیر خاں صاحبؒ کو بھی ہر بار مفتی صاحبؒ ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔

میرے بڑے بھائی مولانا زبیر بڈھا صاحب مجھ سے ایک بار کہہ رہے تھے کہ: ایک بار وہ مولانا نصیر خاں صاحبؒ کو مفتی صاحب کی طرف سے دس روپیے ہدیہ دینے پہونچے تو مولانا نصیر خاں صاحبؒ فرمانے لگے مولوی صاحب! آپ کو کیا پتہ؟ ہم پورے سال اس دس روپیے کے منتظر رہتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ ذرا سوچیے! از ہر ہند دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز شخص کے لیے نہ جانے کہاں کہاں سے معتقدین وتلامذہ کیا کیا ہدایا بھیجتے ہوں گے، مگر اسی دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مفتی صاحبؒ کی بظاہر ایک چھوٹی سی رقم کے لیے کیا الفاظ استعمال کر رہے ہیں!

بدیہی بات ہے حضرت مفتی صاحبؒ کا اخلاص اور آپ کی للّٰہیت وہ حضرات اپنی

روحانی آنکھوں سے دیکھا کرتے تھے، اسی لیے ان حضرات کو حضرت مفتی صاحبؒ کے ہدیہ کا انتظار رہتا تھا۔ (مولانا سفیان بڈھا صاحب زید مجدہ)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے حضرت مفتی صاحب کے تعلقات

حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ لگاؤ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ سے تھا، حضرت مفتی صاحبؒ حضرت قاری صاحب کا تذکرہ بہت ہی زیادہ لطف کے ساتھ کرتے تھے، دار العلوم دیوبند میں ان کی قربانیاں، ان کا علمی مرتبہ، ان کی طلبہ کے ساتھ شفقتیں، ان کی بصیرت وغیرہ امور پر سیر حاصل گفتگو فرماتے۔

دار العلوم دیوبند کے قضیۂ نامرضیہ کے بارے میں حضرت مفتی صاحب پورے اعتماد ووثوق کے ساتھ حضرت قاری صاحب کے حق بجانب ہونے کو بار بار بہت ہی پرزور انداز میں بیان کرتے تھے، اور کبھی انتہائی آبدیدہ ہوکر فرماتے کہ لوگوں نے ہمارے قاری صاحب پر ظلم کیا!

دوران درس یا کسی نجی مجلس میں حضرت قاری صاحب کا تذکرہ فرماتے تو کبھی بلک بلک کر روتے تھے اور حاضرین کو خوب رلاتے تھے، ہر سال حضرت قاری صاحب کی طرف سے قربانی کرتے اور دیوبند آمدورفت رکھنے والوں سے حضرت قاری صاحب کی قبر پر سلام پیش کرنے کی درخواست فرماتے، نیز حضرت قاری صاحب کے خانودہ اور حضرت قاری صاحب کا ساتھ دینے والوں کو بہت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور ایسے لوگوں کے ساتھ برابر اپنے تعلقات کو استوار رکھتے تھے۔ دار العلوم دیوبند (اصل) کے ساتھ تعلقات کے ساتھ ساتھ دار العلوم وقف سے گہرا تعلق رکھتے تھے، دار العلوم وقف کی ضروریات کی طرف

اہل خیر حضرات کو متوجہ فرماتے تھے، اپنی ساری کتابوں کی وصیت بھی دارالعلوم وقف دیوبند کے لیے کی تھی۔

حضرت مولانا انظر شاہ صاحبؒ سے حضرت مفتی صاحب کے تعلقات

حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے اساتذہ میں دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ لگاؤ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ سے تھا اور جتنا لگاؤ مفتی صاحبؒ کو حضرت شاہ صاحبؒ سے تھا، اتنا ہی لگاؤ اور محبت حضرت شاہ صاحبؒ کو حضرت مفتی صاحبؒ سے تھا۔

مولانا سفیان صاحب بڈھا ناقل ہیں کہ: حضرت مفتی صاحبؒ شاہ صاحبؒ کو اپنی عادت کے اور اپنی حیثیت کے مطابق رقم کے ساتھ ساتھ اچار بھی بھیجا کرتے تھے، لیکن کبھی کبھی صرف رقم بھیجتے تو شاہ صاحب اپنے البیلے انداز میں فرماتے کہ "آچھودیا" کنجوس ہوگیا ہے، اچار نہیں بھیجا، پھر فرماتے کہ: ان سے کہو اور تیز کھٹا اچار بھیجو۔ اس طرح شاہ صاحب مفتی صاحب سے اپنائیت کا اظہار فرماتے۔

ایک بار سن ۲۰۰۸ء میں "حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ سیمینار" میں جانا ہوا، اس موقع پر مفتی صاحبؒ بھی دیوبند تشریف لائے تھے، حضرت شاہ صاحبؒ کا دسترخوان بڑا وسیع تھا، دیوبند میں شاہ صاحبؒ کا کوئی متعلق آتا اور شاہ صاحبؒ کے وہاں وہ کھانا نہ کھاتا تو شاہ صاحبؒ بڑے بگڑتے تھے، اس سیمینار کے موقع پر مفتی صاحب کی، ہماری اور دوسرے کچھ حضرات کی شاہ صاحبؒ کے وہاں دعوت تھی، ہم لوگ وقت سے کچھ دیر پہلے شاہ صاحبؒ کے دولت کدہ پر پہونچ گئے تھے، کچھ دیر کے بعد مولانا قمرالزماں الہ آبادی صاحب مدظلہ العالی بھی تشریف لے آئے، پھر کیا تھا؟ حضرت شاہ صاحب اور حضرت الہ آبادی کی خوب مجلس جمی، ابھی یہ مجلس اپنے شباب پر تھی کہ شاہ صاحبؒ اپنی مرنجامرنج ملفوظات سے اہل مجلس کو محظوظ فرمارہے تھے کہ اثنائے مجلس مفتی ابراہیم صاحبؒ تشریف لے آئے، جیسے ہی

مفتی صاحبؒ پر شاہ صاحبؒ کی نظر پڑی، شاہ صاحبؒ کی رگِ مزاح پھڑک اٹھی اور زور سے بولے دیکھو! آچھودیا کی بھوک چمک اٹھی، اس لیے دوڑے دوڑے آگئے، معاً مفتی صاحب نے جواب دیا کہ حضرت ہم تو آپ کے ملفوظات کے بھوکے ہیں، وہی کھانے آئے ہیں، کمال کی بات تو یہ ہوئی کہ جو مجلس آدھے پونے گھنٹے سے چل رہی تھی وہ مفتی صاحبؒ کی تشریف آوری کے بعد چند منٹوں میں ختم کردی گئی اور دسترخوان لگوادیا گیا۔ یہ شاہ صاحبؒ کی مفتی صاحبؒ کے ساتھ خصوصی رعایت تھی۔

مفتی صاحبؒ کے ساتھ شاہ صاحبؒ کا بڑا بے تکلف رشتہ تھا، اس لیے شاہ صاحبؒ مفتی صاحبؒ کے ساتھ دل لگی بھی فرمایا کرتے تھے، جب شاہ صاحبؒ نے اپنے والد صاحب حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی سوانح بنام "نقش دوام" لکھی اور وہ چھپ کر آئی تو اس کا ایک نسخہ والد صاحب (مولانا یوسف بڈھا) اور ایک نسخہ مفتی ابراہیم صاحبؒ کو بھیجا، دونوں حضرات کے نسخوں پر شاہ صاحب نے خود اپنی تحریر میں ان دونوں حضرات کا نام لکھ کر بھیجا تھا، مفتی صاحبؒ کو جو نسخہ بھیجا تھا اس پر شاہ صاحبؒ نے مفتی صاحبؒ کا نام کچھ اس طرح لکھا تھا، "مجذوب مفتی ابراہیم آچھودیا دام جذبہ"۔ (مولانا سفیان صاحب بڈھا)

کتابوں کا ادب

علم کے لیے صرف آدمی کی صلاحیت ومحنت ہی کارآمد نہیں ہوتی، نافع علم کے لیے اساتذہ کے احترام کے ساتھ ساتھ کتابوں کا ادب بھی بہت ضروری ہے، ورنہ علم برائے معلومات تو حاصل ہوجاتا ہے، مگر علم برائے عمل حاصل نہیں ہوتا جو علم کا اصل مقصد ہے۔ بندہ جب وسائل علم کا احترام کرتا ہے تو اس کو اپنے حاصل شدہ علم پر عمل کی توفیق مل جاتی ہے اور یہی علم کی مقبولیت ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو حد درجہ کتابوں کا ادب کرتے ہوئے پایا، علامہ انور شاہ کشمیریؒ

کے بارے میں پڑھا تھا کہ خود علامہ کشمیریؒ نے لکھا ہے کہ بلوغت کے بعد کبھی کسی دینی کتاب کو بغیر وضو کے ہاتھ نہیں لگایا۔ یہ تو اسلاف کے حالات میں ہم نے پڑھا، مگر یہی چیز ہم نے اس گئے گذرے دور میں اپنی آنکھوں سے دیکھی کہ مفتی صاحب بھی بغیر طہارت کے کبھی کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے، جب بھی کتاب پکڑنے کی ضرورت پیش آتی تو مفتی صاحب کو اگر وضو کی ضرورت ہوتی تو پہلے وضو فرماتے؛ اس کے بعد ہی کتاب کو پکڑتے، اگر وضو کا موقع نہ ہوتا تو کم از کم تیمم ہی فرمالیتے اور اس پر مفتی صاحبؒ کے پاس دلیل بھی تھی کہ ایسے موقع پر باوجود پانی کے استعمال پر قدرت ہونے کے کتاب پکڑنے کے لیے تیمم کی گنجائش ہے۔

مزید یہ کہ مفتی صاحبؒ کے یہاں اس چیز کا خصوصی التزام تھا کہ کتاب کو اس کے درجے کے مطابق بتدریج رکھنا۔ اگر کتابوں کو تہہ بہ تہہ رکھنے کا موقع ہوتا تو مفتی صاحبؒ بتاکید یہ التزام فرماتے کہ اوپر تفسیر کی کتاب، پھر حدیث، پھر فقہ علی ہذا القیاس کتابوں کو رکھتے اور اگر ہم لوگ کبھی اس ترتیب کے خلاف کتاب رکھ دیتے تو مفتی صاحبؒ اپنی علمی لیاقت اور کتاب دوستی کی بنیاد پر دور سے دیکھ کر بھانپ لیتے کہ فقہ کی کتاب اوپر ہے، حدیث کی نیچے، پھر فرماتے کہ دیکھو! تم نے یہ کتاب نیچے رکھی ہے، اس کو اوپر رکھو! اس معاملے میں بعض مرتبہ مفتی صاحبؒ غصہ بھی ہوجاتے اور فرماتے کتاب کی بے ادبی سے علم نہیں آتا۔

ٹھیک اسی طرح کتب خانے کی ترتیب میں بھی اس بات کا خوب لحاظ کرتے اور الماری میں اوپر کے خانے میں تفاسیر پھر نیچے کے خانے میں شروحاتِ حدیث اس کے نیچے کے خانے میں فقہ، یہ چیزیں ہم جیسے ناقدروں کے لیے معمولی ہیں، مگر جس کے رگ وپے میں علم اور کتابوں کی قدر سرایت کرچکی ہو، اس کے لیے یہ چیزیں بہت اہم ہوتی ہے، اور یہ بات مفتی صاحبؒ کو قدرت کی طرف سے وافر مقدار میں ملی تھی، وہ اس معاملے میں بڑے حساس

واقع ہوئے تھے۔

اسی طرح حضرت مفتی صاحبؒ ہمیشہ بیٹھ کر ہی کتاب کا مطالعہ فرماتے تھے، کبھی لیٹ کر کتاب پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، حضرت مفتی صاحبؒ آٹھوں پہر کتاب کے ساتھ گذارتے تھے مگر مجال ہے کہ کبھی لیٹ کر کتاب کا مطالعہ کیا ہو۔

اندازِ تدریس

ایک کامل استاذ اور کامیاب مدرس کے اوصاف میں سے یہ ہے کہ اسے اپنے علم وفن میں درک ومہارت حاصل ہو، وہ افہام وتفہیم میں ملکۂ راسخ کا حامل ہو، تسہیل وترتیب اس کی طبیعت ثانیہ ہو، علوم وفنون میں ایسی جامعیت رکھتا ہو کہ علم وفن کا کوئی مرجع ومصدر اس کی نظر سے مخفی نہ ہو، القاء کا اسلوب اتنا سہل مگر علمی ہو کہ ہر ذہن ودماغ اس سے محظوظ ہو، خالص فنی اور دقیق مضامین اتنے سلیس انداز میں پیش کردے کہ غبی طالب علم بھی آسانی کے ساتھ سمجھ جائے۔

حضرت مفتی صاحبؒ بھی انہی خصوصیات کے حامل تھے، ذیل میں چند خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں۔

اندازِ تدریس تقریر کا نہیں تھا، بلکہ افہام وتفہیم کا تھا، طلباء کو درس کے دوران اپنے ساتھ بولتے رہنے کا مکلف کیا جاتا تھا، غلط بولنے پر صفات جلالیہ کا جم کر اظہار ہوتا تھا، لیکن یہ جلال صرف درس کے دوران ہی ہوتا تھا، سبق ختم ہونے کے بعد وہی شفقت، محبت اور کھلانے، پلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی تھی، نیز اندازِ تدریس مجادلانہ، مناقضانہ اور معارضانہ نہیں تھا بلکہ مذاہب ائمہ کے درمیان مطابقانہ تھا۔

راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحب سے ۲۰۰۵ء میں مشکوۃ شریف، جلالین، الفوز الکبیر اور شرح نخبۃ الفکر وغیرہ کتابیں پڑھی تھی، اس وقت مسجد کی فوقانی منزل پر واقع کتب

خانے میں درس ہوتا تھا، حضرت مفتی صاحب کے اردگرد کتابوں کا ڈھیر پڑا ہوا ہوتا تھا، دوران درس اپنے پاس موجود کتابیں کھول کر اس میں سے پڑھ کر بات سمجھاتے تھے، اور کتب خانے میں موجود دیگر کتابوں کو لانے کا حکم فرماتے تھے، مفتی صاحبؒ جب کسی کتاب کے لانے کا حکم فرماتے تو طلباء کتاب تلاش کر کے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتے تھے، اور حضرت مفتی صاحب اس میں سے پڑھ کر بات سمجھاتے تھے، دوران درس کئی کتابوں کا نام لینے اور اس میں سے بات سمجھانے کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کے وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا تھا اور طلباء کو بہت سی کتابوں اور مراجع کا علم ہونے کے ساتھ اس بات کی بھی سوجھ، بوجھ پیدا ہوجاتی تھی کہ متعلقہ مضمون کی گرہ کشائی کے لیے کن کن کتابوں کی مراجعت کرنی چاہیے۔

مشکل مضمون کو کئی مرتبہ سمجھاتے تھے اور اس وقت تک دوہراتے رہتے تھے جب تک کہ اطمینان نہ ہوجائے کہ طلبہ اچھی طرح سے سمجھ گئے ہیں۔ گویا پڑھاتے نہیں تھے بلکہ پلاتے تھے۔

دورانِ درس ایسی قیودات لگاتے تھے کہ معمولی قید سے بڑے بڑے اشکال حل ہوجاتے تھے۔

دورانِ درس طلباء کے قلب ودماغ میں گردش کرنے والے اشکالات کے جوابات سوال کیے جانے سے پہلے ہی حضرت مفتی صاحب کی زبان پر آجاتے تھے، اس کا کئی طلباء کو تجربہ ہے۔

دورانِ درس کس شارح نے کون سی بحث کو اچھی طرح سے حل کیا ہے، اس کی رہبری فرماتے تھے، تاکہ باذوق طلباء ان ابحاث کے لیے ان شروحات کی مراجعت کرلیں۔

لمبی تقریر کرنے کے بجائے حلِ کتاب کی طرف زیادہ توجہ فرماتے تھے اور ہر بحث کا

مختصر ایسا خلاصہ پیش فرماتے تھے کہ مکمل مضمون اچھی طرح سے ذہن نشین ہوجاتا تھا۔

مختصر ومطول ہر طرح کی کتابیں مکمل پڑھاتے تھے، اگر مطول کتابیں مدرسہ کی طرف سے متعینہ وقت میں مکمل نہ ہونے کا اندیشہ ہوتو خارجی وقت میں بھی پڑھا کر مکمل کرتے تھے۔

ایک ہی بیٹھک پر آپ بیٹھتے اور پورا درس اسی انداز نشست میں اختتام کو پہنچتا۔

دوران درس جب کبھی کوئی ایسی بات پیش آتی جس میں مفتی صاحب کو کوئی شک وشبہ ہوتا تو فوراً وہاں پر سبق روک دیتے اور کہتے کہ فلاں کتاب لاؤ۔۔اور سامنے بیٹھنے والے طلباء کو فرماتے کہ: دیکھو! فلاں کتاب میں کیا لکھا ہے؟ کتاب میں دیکھ کر بات حل فرماتے اور طلبہ کو نصیحت فرماتے کہ بات سمجھ میں نہ آئے تو بڑا بننے کی کوشش نہ کریں، اپنے طلبہ کے سامنے شرم محسوس نہ کریں، بلکہ کتاب کی مراجعت کر کے یا ماہرین فن سے پوچھ کر طلبہ کو سمجھائے، اپنی نہ ہانکیں۔

شروع سال سے ہر کتاب کے صفحات کا اندازہ لگا کر ایک دن کے صفحات متعین فرما کر اس انداز سے کتاب چلاتے تھے کہ آخر سال میں بالکل بوجھ نہ ہو اور کتاب آسانی کے ساتھ مکمل ہوجائے جس کی مثال دار العلوم ونا کپور میں ۱۴۴۱ھ/ ۲۰۲۰ء بخاری شریف پڑھانے کا پہلا سال ہے، حضرت مفتی صاحب نے بخاری کی مکمل دو جلدیں یعنی تقریباً گیارہ سو تیس صفحات درایۃً پڑھائے تھے، ششماہی تک جلد اول قریب الختم تھی، صرف اس جامعہ اور صرف بخاری ہی کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جہاں کہیں بھی پڑھایا تھا اور جس کتاب کو بھی پڑھایا تھا چاہے وہ کتاب ترمذی ہو یا ابوداود ہو یا ہدایہ اولین ہو یا ہدایہ آخرین یا جلالین ہو سبھی کتابیں مکمل پڑھائی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ جامعہ کے تمام اساتذہ اپنے متعلق کتابوں کو مکمل پڑھانے کی فکر اور کوشش کرتے تھے، آپ ان اساتذہ سے بہت نالاں رہتے تھے جو شروع سال میں لمبی

تقریریں کرتے ہیں اورآخرسال میں کتاب ناقص چھوڑ دیتے ہیں یا روایۃً مکمل کرادیتے ہیں۔

سبق کی پابندی کا بہت ہی اہتمام فرماتے تھے، درمیانِ سال میں جمعہ کے علاوہ کسی دن سفرنہیں فرماتے تھے، اگر بہت ضروری ہوتوسفر میں جانے سے ایک دن قبل مغرب کے بعد سبق پڑھادیتے تھے یاسفر سے واپسی پر سبق پڑھاتے تھے،لیکن سبق کا ناغہ نہیں فرماتے تھے۔

بیماری میں بھی سبق ضرور پڑھاتے تھے بلکہ تجربہ یہ ہے کہ بیماری میں سبق کی مقدار بڑھ جاتی تھی۔

متعلقہ تدریس کی ذمہ داری کوسب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے، تدریس کے ساتھ دیگر ذمہ داریوں اور کاموں سے دور رہتے تھے، اورفرماتے تھے کہ: ایک ہی آدمی کئی کام نہیں کرسکتا، اگرکوئی آدمی تدریس کے ساتھ دیگر کاموں میں بھی لگے گا (اگرچہ وہ کام فی نفسہ نیک ہو) تو آدمی اپنی ذمہ داری پوری امانت داری اور دیانت داری کے ساتھ انجام نہیں دے سکے گا۔

دوران درس اکابرین علمائے دیوبند کا خوب تذکرہ فرماتے اورزاروقطار رونے لگتے، اورفرماتے کہ یہی لوگ اصل تھے، ہم کہاں حدیث پڑھانے کے لائق ہیں؟

دوران درس احادیث پرعمل کرنے کی باربارتاکید فرماتے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب کا ایک عجیب معمول تھا کہ جب کسی حدیث میں کوئی فضیلت والی بات آتی کہ فلاں چیز پڑھنے کی یہ فضیلت ہےتو اسی وقت فرماتے کہ چلو! یہ چیز سب پڑھ لو، حدیث میں جتنی مقدار میں لکھا ہواتنی مقدار میں اسی وقت پڑھواتے اورفرماتے کچھ نہیں تو زندگی میں ایک بار تو اس حدیث پرعمل ہوجائے گا اوراگرکوئی ایسا کام ہوتا جوسبق میں نہ ہوسکےتو تاکید فرماتے کہ آئندہ کل اس پرعمل کرکے لانا!

یہ طلبہ کی تربیت کا ایک انوکھا انداز تھا کہ اس طرح طالب علم کو وہ بات ذہن میں بھی بیٹھ جاتی اور آئندہ بھی اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا۔

مفتی صاحب بحیثیت ناظم تعلیمات

حضرت مفتی صاحبؒ نے چوں کہ درس نظامی کی تقریباً ہر کتاب کو بہت اتقان اور پختگی کے ساتھ پڑھایا تھا اور قدرت کی طرف سے ایسا حافظہ ملا تھا کہ جو پڑھا، یا پڑھایا ذہن میں نقش ہو جاتا تھا اس بنیاد پر انہیں یہ پختہ تجربہ ہو گیا تھا کہ کونسی کتاب کس مدرس کے حوالہ کی جانی چاہیے۔

ادھر دارالعلوم گودھرا کے مہتمم عالی مرتبت حضرت مولانا عبد الستار صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے حضرت مفتی صاحب کی علمی لیاقت کو تسلیم کرتے ہوئے نظامِ تعلیم کی مکمل باگ ڈوران کے امانت دار ہاتھوں میں تھما دی تھی، جس کتاب کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کا جو فیصلہ ہوتا اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔

اور واللہ! حضرت مفتی صاحب نے اس ذمہ داری کو کمال مہارت سے نبھایا بھی، جو جس کتاب کا اہل ہوتا اسے ہی وہ کتاب سپرد فرماتے اور سپرد کرنے کے بعد اس کی شروحات اور متعلقات کی طرف مکمل رہنمائی فرماتے، نیز وقتاً فوقتاً طلبہ سے امتحان لے کر صحیح، غلط کا اندازہ بھی لگاتے۔

بہت ممکن ہے کہ حضرت مفتی صاحب کسی مدرس کو کتاب سپرد کرتے وقت استخارہ بھی کرتے ہوں، کبھی صراحتاً اس کا ذکر تو نہیں کیا، مگر جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے سابق مہتمم مولانا سعید بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا عمل اس بارے میں بیان کرتے تھے کہ: وہ جب کسی کو کوئی کتاب سپرد کرتے تو پہلے استخارہ کرتے تھے اور یہ تجربہ ہے کہ مفتی صاحب اپنی بعض عادات کسی واقعہ کو بیان کر کے کہہ جاتے تھے۔

غرض کتابوں کی تقسیم میں بہت گیرائی سے کام لیتے تھے، الل ٹپ اور کیف ما اتفق کسی کو کوئی کتاب حوالہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت نانوتوی نے مدرسہ چلانے کہ جو آٹھ اصول بنائے تھے، اس میں سے ایک اصول یہ تھا کہ مقدار خواندگی پوری کی جائے، اس کا بہت سختی سے اہتمام کرتے تھے اور دوسرے اساتذہ کو بھی اس کا پابند بناتے تھے اور باقاعدہ اس کا جائزہ لیتے تھے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ الحمدللہ جامعہ کے تمام اساتذہ کی یہ طبیعت بن گئی کہ مقدار خواندگی کو بلاکم وکاست پوری کرتے ہیں، اس کے لیے خارج وقت میں بھی پڑھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

جامعہ میں پچھلے تین سال سے دورۂ حدیث شریف شروع ہوا ہے، الحمدللہ دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں از اول تا آخر مکمّل درایۃً پوری ہوتی ہے، یہ نتیجہ ہے مفتی صاحب کی صحیح نظامتِ تعلیم کا کہ خود بھی درایت پر کاربند رہے اور دوسروں کو بھی اپنے جیسا بنا کے گئے۔

ناظم تعلیمات کے منصب پر ہونے کے ناطے زیادہ تعطیلات کے روادار نہ تھے، سال میں صرف دو چھٹیاں ہوتی تھیں، عید الاضحیٰ کے دس دن اور بیس شعبان سے دس شوال تک سالانہ چھٹی، اس کے علاوہ دوسری کسی چھٹی کے قائل نہیں تھے، ششماہی چھٹیوں کے سخت مخالف تھے، مگر اخیر زندگی میں اس بارے میں کچھ نرم پڑ گئے تھے۔

مدرسے کے اندر غیر ضروری جلسوں کے بھی سخت مخالف تھے، ان کا ماننا تھا کہ ان چیزوں کی وجہ سے اصل کام رہ جاتا ہے، چاہے کتنا ہی بڑا عالم مدرسے میں مہمان بن کر آجاتا حضرت مفتی صاحب ایک گھنٹے کی بھی چھٹی گوارا نہیں فرماتے تھے، بس ایک دھن رہتی تھی کہ طلبہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اور ان کا دیا ہوا وقت پوری طرح وصول ہو۔

ایک سچا ناظم تعلیمات اسی طرح ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ کبوتروں کے نازک تنوں میں شاہین کا جگر پھونکا جائے، مور بے مایہ کو ہمدوش سلیماں ہونے کا ہنر دیا جائے اور کنجشک

فرو مایہ کو شاہین سے لڑنے کا حوصلہ بخشا جائے۔ (مفتی حسن صاحب گودھروی)

حضرت مفتی صاحب اور کتب خانہ

حضرت مفتی صاحبؒ کو کتب خانہ سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا، ایسی نایاب نایاب کتابوں سے کتب خانہ کو بسایا تھا، جس کا اندازہ کوئی اس میدان کا شہسوار ہی کرسکتا ہے، کتب خانہ کی حفاظت کی خاطر جان چھڑکتے تھے، چھٹیوں میں چاہے بقرہ عید کی ہوں، یا سالانہ کی سب طلبہ اور اساتذہ اپنے اپنے وطن روانہ ہوجاتے تھے، مگر یہ ایک مرد درویش مدرسہ کی چہار دیواری میں رہ کر پیرانہ سالی کے باوجود کتب خانہ کی ایک ایک کتاب کو صاف کرکے کتاب کی حفاظت کا انتظام کرتا تھا۔

پورا سال درس وتدریس اور چھٹیوں میں کتابوں کی صفائی، اور کتابیں بھی اپنی نہیں ، مدرسہ کی کتابیں! ہے کوئی جواں سال عالم جو اس طرح چھٹیوں میں مدرسہ کے کتب خانہ کی صفائی کرتا ہو؟ اور عالم بھی کیسا؟ جو حدیث کی اکثر کتابیں پڑھا چکا ہو، جو مدرسوں میں پڑھائے جانے والے تمام فنون میں کامل دستگاہ رکھتا ہو، شہر کے امراء جس درویش کی دریوزہ گری کرتے ہوں، بڑے بڑے علماء جس کے در پر حاضری دینے کو اپنی سعادت تصور کرتے ہوں، ایسے پاک نفس کی حالت جب چھٹیوں میں آپ دیکھتے تو آپ کو ان کا پاکیزہ وجود غبار میں اٹا ہوا نظر آتا، کپڑے پسینہ سے تر نظر آتے، بالکل وہی حالت جو نیم روز کے وقت کسی جفاکش مزدور کی ہوتی ہے، مگر کیا مجال ہے کہ کتابوں سے عشق میں کچھ کمی آئے، یہاں پہنچ کر آنکھیں پرنم ہوگئی اور فخر کے ساتھ یہ شعر لکھنے پر مجبور ہوں۔

کہ کوئی ایسا کتابوں کا متوالا لاکر تو دکھاؤ!

جو کتاب جس فن کی ہوتی اسے اس کے خانہ میں رکھنے کا پورا اہتمام فرماتے تھے، کتب خانہ کی ساری کتابوں کو بہت سلیقہ سے جہاں جس کی جگہ ہوتی، نگینے کی طرح فٹ کرکے رکھتے

تھے، اور اس طرح پورے کتب خانہ کی ہزاروں کتابوں کو ایک تنہا جان صاف کرتی اور سنوارتی۔

کسی کتاب کی جلد خراب ہوجاتی تو اس کو درست کرنے کا اہتمام کرواتے تھے، اگر کوئی طالب علم کتب خانہ سے کوئی کتاب لے جاتا تو اس کو برابر یاد رکھتے اور وقت پر جمع کروانے کی سختی سے تاکید فرماتے، جب تک اطمینان نہ ہوجاتا کہ یہ کتاب واپس کر جائے گا، وہاں تک اس کو کتاب نہ دیتے تھے۔ (مفتی حسن گودھروی)

حضرت مفتی صاحب کی نصاب تعلیم کے بارے میں جہد مسلسل اور سعی پیہم

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جس جامعیت سے علوم وفنون پڑھے اور پڑھائے تھے، اس کا لازمی اثر تھا کہ مفتی صاحب علوم وفنون کی جمع وترتیب پر بھی کوئی رائے ثاقب رکھتے ہوں، چناں چہ حضرت مفتی صاحب جہاں ایک بہترین اور ماہر ناظم تعلیمات تھے، معاً نصاب تعلیم پر بھی بہت باریک اور دوررس نظر رکھتے تھے، سالہا سال کے تجربے کے بعد مفتی صاحب نے درسِ نظامی کی ترتیب میں کچھ ردوبدل کیا تھا، ردوبدل بایں معنی کہ طلبہ کی ذہنی سطح اور ان کی شبانہ روز کی سرگرمیوں اور پست ہمتی کو دیکھتے ہوئے موضوع کو بدلے بغیر آسان کتب کا انتخاب کیا اور جو کتب طلبہ کی استعداد کے موافق معلوم نہ ہوتی تھی تو ماہرین تعلیمات کے رائے مشورہ سے دوسری آسان کتب کا انتخاب فرماتے تھے، نصاب تیار کرنے میں مفتی صاحب نے انتھک کاوشیں کیں، کئی جگہوں کے نصابہائے تعلیم حاصل کیے جامعہ ازہر مصر، وفاق المدارس العربیہ پاکستان، دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء، اور برصغیر کے مختلف اداروں میں پڑھائے جانے والے نصابہائے تعلیم حاصل کرکے بہت گیرائی اور باریکی سے اس کا فنی اور تقابلی جائزہ لیا، اور کافی بحث وتمحیص کے بعد

ایک آسان اور جامع نصاب تعلیم (جو درس نظامی کے تمام موضوعات کو محیط ہے) تیار کر کے دیا۔ جس میں حضرت مفتی صاحب نے تخفیف، تیسیر، اثبات وترمیم اور ترتیب کا خوب لحاظ فرمایا۔

الحمدللہ! نصاب کی جامعیت اس قدر ہے کہ اگر کوئی طالب علم صرف مطلوبہ گھنٹوں میں اس نصاب کو دھیان سے پڑھ لے اور مزید محنت نہ بھی کرے تو بھی وہ درس نظامی کے تمام موضوعات سے اچھی طرح باخبر ہوسکتا ہے، یہ بات راقم آثم علی وجہ البصیرت لکھ رہا ہے، کیوں کہ اس نے اس نصاب کو برتا ہے اور دوسرے نصاب کو بھی برتا ہے، مختلف جگہوں پر پڑھنے کا موقع بھی ملا ہے، مگر جتنا سہل الحصول اسے پایا، دوسری جگہ یہ بات نظر نہیں آئی، یہ میرا اپنا تجربہ ونظریہ وعندیہ ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاھب

اس نصاب کی بات ہی کچھ اور ہے، کتابوں کو درجہ کے اعتبار سے کچھ اس طرح ترتیب دیا تھا کہ اکثر وبیشتر یہ تجربہ ہوا کہ صبح کا پڑھا ہوا سبق شام تک کہیں نہ کہیں ٹکرا جاتا تھا، جس سے سبق کی پختگی میں مزید اضافہ ہوجاتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب فن کی مشکل کتابوں کو پڑھانے کے بجائے آسان اور چھوٹے رسائل سے فن کو متعارف کروانے کے قائل تھے، کہتے تھے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی اسے گوشت نہیں کھلایا جاتا، بلکہ ماں کے دودھ سے اس کی شروعات کی جاتی ہے، جن مدارس میں شروع درجہ ہی سے مشکل کتابوں میں الجھایا جاتا ہے، اس کے سخت مخالف تھے۔

اس بارے میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ کا ملفوظ بطور حجت پیش کرتے تھے کہ ''ہم نے فن کے چھوٹے چھوٹے رسائل کی وساطت سے فن کی بڑی بڑی کتابوں تک رسائی

حاصل کی ہے۔''

نیز شاہ صاحب کا یہ مقولہ بھی بہت سی مرتبہ نقل فرماتے تھے کہ ''شرح جامی'' اور ''روح المعانی'' یہ دونوں کتب دانشمندی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے کہ جب دانش پختہ ترین ہو جائے تب یہ کتابیں پڑھنی اور پڑھانی چاہیے، یعنی یہ کتابیں تخصص کے درجہ میں پڑھائی جانی چاہیے۔

مذکورہ دونوں کتابوں کے بارے میں شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا یہ ملفوظ بھی نقل کرتے تھے کہ ''جس نے شرح جامی اور روح المعانی نہیں پڑھی اس کے علم میں برکت نہیں ہوگی۔''

خیر! نصاب کی تسہیل وترتیب اور اس کی افادیت کے بارے میں شب وروز فکر کرتے تھے اور جنون کی حد تک یہ فکر سوار تھا، اس کے پر جوش داعی بھی تھے، چناں چہ جو بھی علمی شخصیت مدرسہ کی ملاقات کے لیے تشریف لاتی، اس کے ساتھ جب تک نصاب کے بارے میں گفتگو نہ کرتے چین نہ آتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کے تیار کردہ نصاب کو ''نصاب ابراہیمی'' نام دیں تو ادنیٰ مبالغہ نہ ہوگا، کیوں کہ حضرت مفتی صاحب نے اس نصاب کے پیچھے عمر کا ایک حصہ کھپا دیا تھا، کتابِ زندگی کا ایک ایک ورق اس فکر سے سیاہ کیا تھا، حیاتِ مستعار کی قیمتی ساعتیں اس ادھیڑ بن میں خرچ کی تھی۔

جو علماء اس پُر پیچ وادی سے گزرے ہوں گے، انہیں پتہ ہوگا کہ یہ کیسا پل صراط ہے اور کتنی خطرناک راہ گذر ہے، کیوں کہ نصاب تعلیم ہزاروں، لاکھوں طلبہ کے لیے ایک ایسی حسین راہ گذر تیار کرنے کا نام ہے، جو تمام ضرورتوں اور سہولتوں سے آراستہ ہو، جو کامیابی کے ساتھ منزل تک پہچانے کی ضمانت دیتا ہو، اور ساتھ ساتھ شکوک وشبہات کے خطروں سے

باہر ہو، جس میں جگہ جگہ پر اذعان ویقین کے نشانِ پائدار ہو، اور جگہ جگہ ایسے سنگِ میل نصب ہوں جو سیدھے سیدھے منزل تک پہنچانے کا کام کرتے ہوں، ظاہر ہے ایسی راہ گذر تیار کرنے میں کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہوں گے، جان کو کتنا جوکھوں میں ڈالنا پڑتا ہوگا، کتنی راتیں بیدار رہنا پڑتا ہوگا، یہ ایک ایسی شیرین ہے جسے پانے کے لیے فرہاد صفت ہوکر کوہ کنی کا ہنر آزمانا پڑتا ہے، یا یوں کہیے کہ یہ ایسی لیلی ہے جس تک رسائی کے لیے مجنون بن کر لہو کو رگوں میں خشک کرنا پڑتا ہے۔

اس نصاب کی کامیابی اور اس کی برکات کا اندازہ اس کو برتنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

(مفتی حسن صاحب گودھروی)

معمولات اور معمولات کی پابندی

راقم الحروف کے دریافت کرنے پر حضرت مفتی صاحب نے اپنے کچھ معمولات کا تذکرہ کیا تھا؛ جو مندرجۂ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مفتی صاحبؒ نے جب سے ہوش سنبھالا تھا، زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت فوت ہوئی تھی۔

(۲) روزانہ ۵۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھنے کا معمول تھا، یہ معمول گودھرا آنے کے بعد شروع کیا تھا، یعنی تقریباً ۴۰ سال تک یہ معمول رہا۔

(۳) جب سے جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد ۸۰ مرتبہ درود شریف پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوئی تھی تب سے اس درود شریف کے پڑھنے کا معمول تھا، گویا ایک طویل مدت سے یہ معمول بھی بلاناغہ مکمل کیا جاتا تھا۔

(۴) صبح وشام تیسرے کلمہ کی تسبیح پڑھنے کا معمول تھا۔

(۵) جمعہ کے دن عصر تا مغرب درود شریف پڑھنے کا کئی سالوں سے معمول تھا۔

(۶) دن بھر کی سنتوں پر عمل کرنے کے ساتھ مسنون دعاؤں کا بڑے اہتمام سے التزام فرماتے تھے۔

(۷) راقم الحروف نے جامعہ میں اپنی چھ سالہ طالب علمی کے زمانے میں کبھی حضرت مفتی صاحب کی صف اول بھی فوت ہوتے ہوئے نہیں دیکھی۔

آخر میں عذر کی وجہ سے حجرے میں نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، اور معمولات بھی حجرے ہی میں ادا فرماتے تھے۔

(۸) حضرت مفتی صاحب کا ایک معمول فجر کی نماز کے بعد اشراق تک مسجد میں قبلہ رو بیٹھنا اور ذکر وتلاوت میں مشغول رہنے کا تھا، یہ معمول کئی سال تک رہا تھا، بعد میں عذر کی وجہ کبھی آرام فرماتے تھے، اور حدیث میں ہے کہ ''جو آدمی جوانی یا صحت کے زمانہ میں جو نیک کام کرتا ہے لیکن بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے وہ کام نہیں کرسکتا تو اسے اس عمل کا مکمل ثواب دیا جاتا ہے،'' اس حدیث کی روشنی میں آرام فرما کر بھی ثواب حاصل فرماتے تھے۔

(۹) حضرت مفتی صاحب فرماتے تھے کہ: آدمی کے معمولات کم ہوں، لیکن حرام اور مشتبہ امور سے اجتناب کرے تو ترقی ہوتی ہے، اور معمولات کی بہتات کے ساتھ اگر حرام اور مشتبہ امور سے اجتناب نہ ہو تو یہ امر ترقی سے مانع بنتا ہے۔

حزم واحتیاط

(۱) حضرت مفتی صاحب نے گودھرا سے پہلے جن جن مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی تھی اور وہاں سے جتنی تنخواہ لی تھی یا مطبخ کا کھانا کھایا تھا، سب مدارس کی تنخواہیں واپس کردی تھی اور خوراکی فیس بھی ادا کردی تھی۔

(۲) مدرسہ کی جو چیزیں استعمال فرماتے تھے جیسے کمرہ، بجلی، کھانا وغیرہ چیزوں کے عوض میں ہر ماہ مدرسہ میں دو ہزار روپئے جمع کرادیتے تھے۔

(۳) جب بھی کسی کاپی، کاغذ اور قلم وغیرہ کی ضرورت ہوتی تھی اور کوئی طالب علم لے کر آتا تھا، سب سے پہلے یہ سوال فرماتے تھے کہ: کسی نابالغ طالب علم کی تو یہ چیز نہیں ہے؟ جب نفی میں جواب ہوتا تھا تبھی استعمال فرماتے تھے۔

(۴) مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے مدرسہ کی کرسیاں استعمال کرنے کے بجائے اپنی ذاتی کرسیوں کو ترجیح دیتے تھے، اور مہمان اگر رکتے اور مدرسہ سے کھانا منگواتے تو مہمان کے مدرسہ میں ٹھہرنے کی مدت اور خوراک کا معاوضہ آفس میں جمع کرواتے تھے۔

(۵) حضرت مفتی صاحبؒ کو کسی کتاب کا سہارا لے کر کسی کاغذ پر لکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا، یہ کتابوں کے انتہائی احترام کی دلیل ہے۔

(۶) حضرت مفتی صاحب کے والد صاحب پہلے جوا کھیلتے تھے، پھر بعد میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کے مریدوں میں شامل ہو گئے تھے، اور صوم وصلوۃ کے پابند ہو گئے تھے، حضرت مفتی صاحب کو ان کے معاملات کی صفائی کا بڑا فکر تھا (ویسے حضرت مفتی صاحب نے اپنے والد صاحب سے دریافت کیا تھا کہ: آپ نے جن جن لوگوں سے روپئے جیتے ہیں، ان کے نام اور رقم بتائیں تو ہم ان کی رقم ادا کر دیں گے، تو والد صاحب نے یہ جواب دیا تھا کہ: بیٹے! میں کبھی جیتا ہی نہیں ہوں، ہمیشہ ہارا ہی ہوں۔)

حضرت مفتی صاحب ایک مرتبہ ٹنکاریہ تشریف لے گئے تو بریلویوں کی مسجد میں نماز کے لیے گئے، امام سے اجازت لی کہ مجھے نماز کے بعد کچھ بات کرنی ہے، امام ومقتدی متشدد تھے، اس کے باوجود اجازت دے دی، حضرت مفتی صاحب نے نماز سے فراغت کے بعد حقوق العباد سے متعلق کچھ دیر بات کرنے کے بعد فرمایا کہ: میں فلاں کا لڑکا ہوں اور میرے والد صاحب نے جن لوگوں سے جوئے میں مال جیتا ہو وہ رقم بتائیں، میں ابھی ہی ادا کر دوں گا، یہ باتیں سن کر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، تو حضرت مفتی صاحب نے ایک خطیر

رقم امام صاحب کو یہ کہہ کر حوالے کی کہ اگر کوئی آدمی آئے تو اس رقم میں سے دے دینا!

(۷) صفائی معاملات کا اتنا اہتمام تھا کہ کسی کے پاس سے کبھی قرض یا عاریت پر کوئی چیز لیتے تھے تو اچھی طرح یادر کھتے تھے اور موقع پر خود ہی ادا فرما دیتے تھے۔

(۸) مفتی آصف صاحب پٹیل ناقل ہیں کہ: زمانۂ طالب علمی میں احقر کو بارہا حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت کا موقع ملا ہے، اس وقت کھانا مطبخ سے لایا جاتا تھا، ایک بار کھانا لاکر حضرت کے سامنے رکھا، اتفاق سے دال کا پیالہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور دال رضائی پر گر گئی، حضرت رضائی کو ہاتھ میں لے کر پیالے میں نچوڑنے لگے اور جو دال رہ گئی تھی، اس کو چوسنے لگے، میں نے عرض کیا کہ اس کو پھینک دوں اور دوسری دال لے آؤں؟ اس پر حضرت نے فرمایا کہ: یہ امت کا مال ہے، اس کو ایسے ضائع نہیں کیا کرتے، پھر اسی کو کھالیا۔ انتہی کلامہ

(۹) حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس ایک آدمی اپنی طرف سے کی گئی وقف کی زمین کا مسئلہ لے کر آئے جو مسئلہ بہت ہی الجھا ہوا تھا، حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ: ہم لوگ دار العلوم ندوہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہم العالی سے ملاقات کرتے ہیں اور ان سے مشورہ کرتے ہیں جو وہ فیصلہ فرمائیں گے، اسے ہم منظور کرلیں گے، وہ صاحب اس پر راضی ہوگئے اور وہ حضرت مفتی صاحب کو لے کر ندوہ گئے اور اپنا قضیہ پیش کیا، حضرت مولانا کو جو فیصلہ فرمانا تھا وہ فرمایا، واپسی پر حضرت مفتی صاحبؒ کو علم ہوا کہ اس صاحب نے حضرت مفتی صاحبؒ کا آدھا ٹکٹ یہ وجہ بیان کر کے لیا تھا کہ مفتی صاحب دل کے مریض ہیں، جب حضرت مفتی صاحبؒ کو اس کا علم ہوا تو حضرت مفتی صاحب نے مفتی امین صاحب مدظلہ العالی کو بلایا اور کہا کہ فلاں آدمی نے میرا آدھا ٹکٹ لیا اور یہ وجہ بیان کی ہے، حالاں کہ مجھے ہارٹ کی کوئی تکلیف نہیں، آپ لکھنؤ کا کرایہ معلوم کریں اور ایک ٹکٹ خرید کر لائیں، جب مفتی امین صاحب مدظلہ العالی ٹکٹ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ: اس

ٹکٹ کو میرے سامنے ہی ضائع کردیجیے، اور فرمانے لگے کہ: یہ حرام چیزیں آسانی سے ہمارے سامنے آگئی ہے، ہم اسے کیسے برداشت کرسکتے ہیں؟ ہم نے حرام سے نکلنے کے لیے بڑی محنتیں اور مجاہدے برداشت کیے ہیں۔

(۱۰) مفتی امین صاحب کلا مد ظلہ العالی ناقل ہیں کہ: سن ۲۰۰۲ء میں ایک آدمی کے وہاں میرا حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ جانا ہوا، اس آدمی کے بیٹے کے بارے میں کچھ غبن کی باتیں مشہور ہوگئی تھی، اس لیے مال حرام تو نہیں تھا لیکن مشکوک ضرور تھا، وہاں اس آدمی نے ضیافت کے طور پر چائے اور بسکٹ پیش کیے، حضرت مفتی صاحبؒ نے واپسی پر دریافت کیا کہ ہم نے جو ناشتہ کیا اس کی قیمت اندازاً کتنی ہوسکتی ہے؟ میں نے کہا ۱۵، ۲۰ روپئے کے قریب! حضرت مفتی صاحبؒ نے ۲۵ روپئے دیتے ہوئے فرمایا کہ: یہ کسی کو صدقہ کردینا! تاکہ مشتبہ مال سے احتیاط کی ایک شکل ہوجائے، مشتبہ مال کھانے کی وجہ سے کہیں ہماری دعائیں قبول نہ ہو، اور کہیں ہمارے جذبات نہ مرجائے، حرام کمائی کا سب سے برا اثر یہ ہوتا ہے کہ اچھے جذبات پیدا نہیں ہوتے، سفلی جذبات پیدا ہوتے ہیں، نہ تلاوت کا جی چاہتا ہے، نہ نماز میں حلاوت کا احساس ہوتا ہے، نہ دعائیں مانگنے کا جی چاہتا ہے۔

(۱۱) مولوی سہیل حیات ناقل ہیں کہ: آم کا زمانہ تھا، دادا کے انتقال کے بعد داداجان کے کھیت میں آم کے درخت تھے، پہلی مرتبہ آم نکالے تھے تو میرے والد صاحب اور میرے مرحوم چچا حافظ یامین صاحب مفتی صاحب کو آم دینے گئے تو مجھے ساتھ لے گئے، مفتی صاحب نے فرمایا کہ: ''تمام ورثہ کی اجازت ہیں؟'' میرے والد صاحب نے کہا: جی! تب مفتی صاحب نے آم قبول کیئے۔

(۱۲) کسی صاحب نے مفتی صاحب کو کچھ زیادہ ہی رقم طلبہ پر تقسیم کرنے کے لیے دی، تقسیم کرتے کرتے کچھ رقم رات کو بچ گئی تو فرمانے لگے، ارے لڑکو! یہ کچھ پیسے بچ گئے ہیں،

اگر میں رات کو ہی مر گیا تو لوگ کہیں گے، اس فقیر کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئیں؟

(مولانا حفظ الرحمن کشمیری)

(۱۳) مولانا الطاف صاحب تاجپوری ناقل ہیں کہ: حضرت مفتی صاحب نے ایک مرتبہ بازار سے ۵، یا ۱۰ کلو پیاز لانے کا حکم دیا، میں جب بازار سے پیاز لے آیا اور کمرے میں ایک جگہ رکھی تو لڑھک کر ادھر ادھر پھیل جاتی تھی، میں نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ مسجد کا کام ہو رہا ہے وہاں سے اینٹیں لاکر پیاز کے اردگرد رکھ دیتا ہوں، اس پر مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ پہلے یہ اینٹوں کے پیسے مدرسہ کی آفس میں جمع کرادو! اس کے بعد اینٹیں لانا!

تواضع

حضرت مفتی صاحب جس قدر علمی وعملی رسوخ کے حامل تھے اور جس قدر بلند مرتبہ پر فائز تھے، اتنے ہی متواضع بھی تھے، اپنے آپ کو کسی بڑے منصب اور عہدے کا اہل نہیں سمجھتے تھے بلکہ مناصب وعہدوں سے کوسوں دور رہنے کا اہتمام فرماتے تھے، معمولی جگہ بیٹھنے اور معمولی کھانے پینے میں کوئی عار محسوس نہیں فرماتے تھے، جلسے جلوس میں بہت کم شرکت فرماتے تھے، کبھی جانا ہوتا تھا تو عام لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کو پسند فرماتے تھے۔

تواضع کی کچھ مثالیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت مفتی صاحب وڈالی میں ''ترمذی اور ابو داود'' کا درس دیتے تھے، اور ادارہ جما جمایا تھا، ان حالات میں حضرت مفتی صاحبؒ کو گودھرا میں ایک ایسے ادارے میں آنے کی دعوت دی جارہی تھی جس کی نہ کوئی مستقل عمارت تھی اور نہ رہنے سہنے کا کوئی معقول انتظام! اور نہ بڑی کتابیں پڑھانے کا وعدہ! بلکہ اردو اور عربی اول کی کتابیں پڑھانی تھیں، اس کے باوجود حضرت مفتی صاحب تیار ہو گئے، ورنہ عام طور پر آدمی جب ادارہ تبدیل کرتا ہے تو اس کے پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ جس ادارے میں؛ میں جارہا ہوں وہ ماقبل کے ادارے کے مقابلے میں

زیادہ راحت رساں ہو اور وہاں بڑی کتابیں پڑھانے کا موقع ملے!

قربان جاؤں! حضرت مفتی صاحبؒ کی کسر نفسی اور اخلاص وللّٰہیت پر!

(۲) جامعہ میں تیس سال تک درجۂ مشکوۃ تک کی تعلیم اور دورۂ حدیث شروع نہ کیے جانے کی بنیادی وجہ آپ کی تواضع تھی، اربابِ اہتمام آپ کے علاوہ کسی کو شیخ الحدیث کے منصب کے لائق نہیں سمجھتے تھے اور آپ اپنے آپ کو اس عہدے کے لائق نہیں سمجھتے تھے، لیکن آخر اپنے تیسرے شیخ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی مدظلہم العالی کے مشورہ سے اس منصب کو قبول فرما لیا تھا۔

(۳) ایک مرتبہ مدرسہ میں کوئی مہمان آنے والے تھے، راقم الحروف بھی حضرت مفتی صاحب کے ساتھ شاہ راہ پر مہمان کے استقبال کے لیے گیا تھا، مہمان مکرم کی آمد میں کچھ تاخیر ہوئی تو حضرت مفتی صاحب مہمان کے انتظار میں بغیر عار محسوس کیے ہوئے کچھ بچھائے بغیر زمین پر ہی بیٹھ گئے، یہ حالت دیکھ کر ہمیں بھی چاروناچار زمین پر ہی بیٹھنا پڑا۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے حجرہ کی طرف جارہے تھے اور طلبہ حضرت مفتی صاحبؒ کے پیچھے چل رہے تھے، اسی دوران حضرت مفتی صاحبؒ کو پیشاب کا تقاضہ ہوا تو حضرت مفتی صاحبؒ کمرہ کے بجائے سیڑھی کے قریب جو بیت الخلاء بنا ہوا تھا، وہاں تشریف لے گئے، جب مفتی صاحبؒ بیت الخلاء کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ بیت الخلاء صاف نہیں ہے، گندا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے خود اس بیت الخلاء کو صاف کیا، حالاں کہ اس وقت طلبہ حضرت سے کچھ ہی دوری کے فاصلہ پر تھے، لیکن حضرت نے کسی کو نہیں بلایا، بلکہ خود صاف کیا! (مفتی مجاہد صاحب شہراوی)

(۵) مختلف اداروں سے مفتی صاحبؒ کو بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کے لیے پیش کش بھی کی گئی، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے تاکیدی طور پر کہا کہ

میں بحیثیت استاد آپ کو حکم کرتا ہوں کہ: ”آپ وقف دارالعلوم دیوبند میں ترمذی شریف پڑھانے کے لیے تشریف لے آئیں“ مگر حضرت مفتی صاحب نے دو وجوہات کی بناء پر عذر فرمادیا:

ایک یہ کہ میں اس لائق کہاں کہ اتنے بڑے ادارے میں اتنی بڑی کتاب پڑھاؤں؟!
اور دوسری وجہ یہ کہ مولانا عبدالرحمن گونیا صاحبؒ یہ ادارہ میرے سپرد کر کے گئے ہیں تو میں اس کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟! (مولانا سفیان بڑھا صاحب)

(۶) تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ کہیں بھی تشریف لے جاتے تھے تو خود بیان اور دعا کرانے کے بجائے دوسروں سے بیان ودعا کرواتے تھے، جتنے اکابر جامعہ میں تشریف لاتے تھے، سب آپ کے احوال نیز سادگی اور تواضع کو دیکھ کر بے حد متأثر ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ ”یہ زمانہ کے جنید بغدادی اور شبلی ہیں۔“

سادگی

اسلام سادگی اور سادہ طرزِ زندگی کا دین ہے، اسلامی ثقافت اور اسلامی طرزِ معاشرت میں سادگی اور سادہ طرزِ زندگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، سادگی یہ ہے کہ آدمی کھانے پینے، اوڑھنے بچھونے، اُٹھنے، بیٹھنے کسی چیز میں تکلّف نہ کرے، کھانے میں جو سامنے آئے اسے برضا ورغبت کھالے، پہننے کو جو سادہ لباس مل جائے بخوشی پہن لے، زمین پر، چٹائی پر، فرشِ زمین پر جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جائے۔

سادہ طرزِ زندگی درحقیقت اسلام کا وہ پیغام ہے، جو انسان کی فلاح اور کامرانی کا ضامن ہے، اسلامی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو زندہ رہنے اور اطمینان اور سکون سے زندگی بسر کرنے کے لیے جو کچھ میسّر ہے، اُس پر قناعت کرے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی میں دیگر صفات کے ساتھ یہ صفت بہت ہی نمایاں طور

سے دیکھنے کو ملتی تھی، حضرت مفتی صاحب علمی، عملی اعتبار سے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود سادگی میں اپنی مثال آپ تھے، کھانے پینے، اوڑھنے بچھونے، اُٹھنے، بیٹھنے کسی چیز میں تکلّف نہیں فرماتے تھے، کھانے میں جو سامنے آجاتا تھا؛ اسے برضاورغبت کھا لیتے تھے، پہننے کو جو سادہ لباس مل جاتا تھا بخوشی پہن لیتے تھے، زمین پر، چٹائی پر فرشِ زمین پر جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے تھے۔

حضرت مفتی نثار صاحب مدظلہ العالی ناقل ہیں کہ: ایک بار ربانی مسجد میں حوض کے قریب فجر کے بعد آپ چکر لگا رہے تھے، ایک عامی آدمی آیا جو حضرت کو پہچانتا نہ تھا؛ وہ سمجھا کہ ایک مؤذن یعنی بانگی صاحب ہے، اس آدمی کو استنجاء جانا تھا، اس نے کہا کہ بانگی صاحب! استنجاء خانہ کی چابی دو! حضرتؒ نے فرمایا: میرے پاس نہیں ہے، وہ آدمی بکواس کر کے چلا گیا، حضرتؒ نے نہ اپنا تعارف کروایا اور نہ کسی کو کچھ کہا، کچھ دنوں کے بعد ایک جگہ مجلس تھی اور حضرتؒ کا وہاں بیان تھا، وہ آدمی جس نے آپ کے بارے میں بکواس کیا تھا، وہ آپ کی بات سن کر حیران ہو گیا اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد معافی مانگنے لگا، حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ (انتھی کلامہ)

دو تین جوڑ کپڑے، دو تین ٹوپیاں، ٹھنڈی کے موسم کی ایک صدری اور ایک گرم ٹوپی یہی کل کائنات تھی، کبھی پریس کیے ہوئے کپڑے زیب تن نہیں فرماتے تھے، خادم کو پریس کرنے سے منع فرماتے تھے، پھر بھی اگر کسی خادم نے انہیں اطلاع دئے بغیر پریس کر دئے ہو تو اور بات تھی، مدوّر کُرتا ہی استعمال فرماتے تھے۔

کپڑیں پریس کرنے کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کو ان کے استاذ محترم نے کپڑے پریس کرتے ہوئے دیکھ لیا تو فرمایا کہ: مولوی ابراہیم! کپڑیں پریس کروگے تو پڑھوگے کب؟ استاذ محترم کے اس جملے نے اثر کیا اور اس

وقت سے پریس کیے ہوئے کپڑے پہننا چھوڑ دیا تھا۔

مولانا یوسف موڈاسا ناقل ہیں کہ ایک بار میں اپنے والد محترمؒ کے ساتھ وڈالی گیا، حضرت مفتی صاحبؒ وڈالی تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے، اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ مدرسہ کے کتب خانہ کے نیچے ایک کمرہ میں رہتے تھے، سردی کا موسم تھا، آپ جیسی گراں قدر شخصیت سے ملاقات ہوئی تو آپ کے بستر کا یہ حال تھا کہ پرال (گیہوں کی گھاس) پر چادر بچھی ہوئی تھی، جس پر حضرت تشریف فرما تھے۔

استغناء

''استغناء و بے نیازی'' کہتے ہیں لوگوں کی خوش حالی، مالی فراوانی اور اُن کے مرتبہ و اقتدار سے لاپرواہ اور بالاتر ہوکر اِس طرح زندگی گزارے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ انسان کو کسی سے کچھ پالینے یا مل جانے کی حرص وطمع نہ رہے، چناں چہ انسان کی بے نیازی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے نیاز ذات کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ہوکر زندگی گزارے، نہ کسی کے مال و دولت پہ نظر ہو، نہ عہدہ و اقتدار پہ، نہ جاہ و منزلت پہ، نہ شان و شوکت پہ۔

اِس لیے کہ جو لوگ دُنیا میں خوش حالی و فراوانی کی زندگی گزار رہے ہیں؛ وہ خود اُس ذات سے بے نیاز نہیں ہو سکتے جو سب سے بڑھ کر بے نیاز ہے۔

اسلام میں استغناء و بے نیازی کا سب سے بڑا اور اہم اُصول ''قناعت پسندی'' ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو جو کچھ ملا ہے اُس پر صبر و شکر کرے اور زیادہ کی حرص وطمع نہ کرے۔

بعض لوگ انتہائی غریب اور مفلس ہوتے ہیں، لیکن اِس کے باوجود وہ زیادہ مال و دولت کی حرص و لالچ میں نہیں پڑتے، بلکہ جو کچھ ''قوت لایموت'' میسر آجائے، اُس پر قناعت کر لیتے ہیں، چناں چہ وہ باوجود مفلس اور غریب ہونے کے مستغنی اور بے نیاز ہوتے

ہیں، اِس لیے کہ استغناء و بے نیازی کا تعلق مال و دولت کی کمی زیادتی سے نہیں، بلکہ اُس کا تعلق قلب وروح کی پاکیزگی سے ہے۔

اسلام کی شان دار لہلہاتی تاریخ ایسے بے تاج بادشاہوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی میں اِس فانی دُنیا کی زیب وزینت کی طرف آنکھ اُٹھا کر کبھی غلطی سے بھی نہیں دیکھا۔

انہیں بے تاج بادشاہوں میں استاذ محترم حضرت مفتی صاحبؒ بھی تھے، ایک طویل عرصہ سے حضرت مفتی صاحب کو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، حضرت مفتی صاحب اللہ تعالیٰ کی بے نیاز ذات کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ہوکر زندگی گزار رہے تھے، نہ کسی کے مال و دولت پہ نظر تھی، نہ کسی کے عہدہ واقتدار پہ نظر تھی، نہ کسی کے جاہ و منزلت پہ نظر تھی اور نہ کسی کی شان وشوکت پہ نظر تھی۔

حضرت مفتی صاحب کے بیرون کے کچھ رشتے دار لاکھوں روپے بطور ہدیہ بھیجتے تھے، لیکن دو تین دن میں سب روپے غرباء، مساکین اور ضرورت مندوں پر خرچ فرما دیتے تھے، اگر حضرت مفتی صاحبؒ مال جمع کرتے تو شاید کروڑوں پتی ہوتے!

بڑے سے بڑے مالدار اور بڑے سے بڑے عہدہ دار سے کبھی متأثر نہیں ہوتے تھے، بلکہ بسا اوقات تو ایسے لوگوں کے ہدایا بھی قبول نہیں فرماتے تھے!

یہ اوصاف بہت کم لوگوں میں پائے جاتے ہیں، بس صرف اتنا ہی کہا اور لکھا جا سکتا ہے کہ جس طرح حضرت مفتی صاحبؒ کی دیگر اوصاف میں شان نرالی تھی، اسی طرح استغناء اور بے نیازی میں بھی ان کی شان نرالی تھی۔

زہد وقناعت اور دنیا اور دنیا کی زیب وزینت سے دوری تو آپ کی رگ وپے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، دیکھنے والا فوراً بھانپ لیتا تھا کہ اس آدمی کو دنیا کی ہوا بھی نہیں لگی

ہے، آخر وقت تک یہی روش رہی اور اسی حالت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ (مولانا ابراہیم بھاگلیا صاحب)

جود وسخا

جود وسخا کا یہ حال تھا کہ ساری تنخواہ طلباء اور غرباء میں تقسیم فرمادیتے تھے، کوئی مہمان آپ کے در سے خالی نہیں جاتا تھا، موسم کے لحاظ سے ٹھنڈے، گرم کسی نہ کسی مشروب یا کھانے کا وقت ہوتو کھانے سے ضیافت فرماتے تھے، اگر کسی عذر کی وجہ سے کچھ کھلا، پلا نہ سکے تو اتنے نقد روپئے دے دیتے تھے جو ناشتے کے قائم مقام ہوجائے۔

ایسے لوگ جن کی تنگی کی حالت میں مدد کی ہو یا مکان بنوادئے ہو یا قرض کی ادائیگی کی ہو یا جن کے گھر ماہانا راشن پہنچاتے ہو، ان کا تو شمار نہیں کیا جاسکتا، طلباء اور بعض لوگوں کے مستقل وظائف مقرر تھے جو انہیں وقت پر پہنچائے جاتے تھے، صبح ناشتے میں طلباء کی بڑی تعداد کو شریک دسترخوان کیا جاتا تھا، نیز دوپہر اور رات کے کھانے میں خدام کو ساتھ میں بٹھا کر کھلاتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کو مسجد، مدرسوں میں رقم دینے کے بجائے کسی غریب کی جھونپڑی تعمیر کرنے میں زیادہ خوشی محسوس ہوتی، سرد پڑے چولہوں میں آتش فشانی سے ان کی روح کو لذت ملتی تھی، اہل زر کو بھی اسی جانب متوجہ کرتے، فاقہ مستوں، جفاکشوں اور بے سہارا لوگوں کا سہارا بننا ان کی زندگی کا بہت نمایاں کردار تھا۔

صرف تنخواہ ہی نہیں بلکہ بہت سے موقعوں پر قرض لے کر بھی لوگوں کی مدد کرنے میں کسر نہیں چھوڑتے تھے جس کا ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوریؒ (سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند) حضرت مفتی صاحب کے ہم درس اور بچپن کے بے تکلف دوست تھے، حضرت مفتی سعید صاحب

جب بھی دیوبند سے بذریعے ٹرین بمبئی کے لیے تشریف لے جانے والے ہوتے تو حضرت مفتی صاحب کو ضرور اطلاع فرماتے کہ: میں بمبئی جانے والا ہوں اور گودھرا اسٹیشن پر اتنے بجے ٹرین پہنچے گی، اتنے لوگوں کا کھانا لے کر ملاقات کے لیے پہنچ جانا! حضرت مفتی صاحب وقت مقررہ پر پہنچ جاتے تھے اور جب تک ٹرین رکتی وہاں تک دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہتی تھی، ایک مرتبہ اسی طرح اطلاع کے مطابق حضرت مفتی صاحب کھانا لے کر حضرت مفتی سعید صاحبؒ کی ملاقات کے لیے پہنچے، حضرت مفتی سعید صاحبؒ، حضرت مفتی صاحبؒ کی عادات سے واقف تھے، اس لیے دوران گفتگو حضرت مفتی سعید صاحبؒ نے فرمایا مفتی ابراہیم صاحب! سچ بولنا: آپ پر کتنا قرضہ ہے؟ مفتی صاحب کو سچ بات بتائے بغیر چارۂ کار نہیں تھا، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰) روپئے! حضرت مفتی سعید صاحبؒ نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈالا اور اسی وقت یکمشت تینتیس ہزار حضرت مفتی صاحب کو دیئے اور فرمایا لو! یہ میری طرف سے ہدیہ ہے۔

اس واقعہ سے دونوں بزرگوں کے کمال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ایک غرباء کی مدد کے لیے اپنے آپ کو مقروض بھی بنالیتا ہے تو دوسرا تھوڑا بھی پس وپیش ہوئے بغیر اتنی بڑی رقم ہدیہ کر دیتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ جلسہ میں ''جامعہ امداد العلوم وڈالی'' سے تشریف لے گئے تھے اور اس سال کی مکمل تنخواہ صدسالہ کے لیے وقف کر دی تھی۔

سردیوں کے موسم میں خاص کر تقریباً پچاس کے قریب غریب ونادار طلبہ صبح ناشتہ میں مفتی صاحب کے کمرے سے انڈے اور دیگر ناشتہ کا سامان لے جاتے، یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا اور غریب طلبہ کی ہمیشہ مالی معاونت فرماتے، اپنی کل تنخواہ غریب طلبہ پر تقسیم کر دیتے، یہ سلسلہ اپنے مدرسے تک ہی محدود نہیں تھا، بلکہ غریب طلبہ تکمیل کے لیے جن مدارس

میں جاتے کچھ نہ کچھ رقم ان کی امداد کے لیے وہاں بھیجتے، تاکہ انہیں کوئی پریشانی پیش نہ آئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کبھی ایک خطیر رقم قرضہ لے کر لوگوں کی مدد فرماتے تو دل میں ایک کوفت ہوتی تھی کہ شریعت نے آدمی کو اس کا تو مکلف نہیں بنایا ہے کہ آدمی اپنے ذمہ قرض رکھ کر لوگوں کی مدد کرے اور خدانخواستہ اس حالت میں موت آجائے تو بڑے خسارے کی بات ہوسکتی ہے، لیکن حضرت مفتی صاحب کو مکمل یقین ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے ضرور انتظام فرمادے گا۔

اور بارہا یہ دیکھا گیا کہ حضرت مفتی صاحب نے خطیر رقم قرض لے کر کسی کی مدد فرمائی اور چند ہی دنوں میں خدا کی ایسی غیبی مدد شامل حال ہوتی کہ یک دم سارا قرضہ ادا ہوجاتا تھا۔

انتقال کے بعد تحقیق کی گئی کہ آپ کے ذمہ کوئی قرض تو نہیں ہے؟ تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کے ذمہ کوئی قرض نہیں، اللہ تعالیٰ نے موت اس حالت میں دی کہ آپ کے ذمہ کوئی قرض نہیں تھا، بلکہ تقریباً دس، گیارہ ہزار روپئے آپ کے حجرے سے برآمد ہوئے جو آپ کے بچے ہوئے صرف ایک وارث یعنی آپ کے بھائی کے حصہ میں آئے، شاید حضرت مفتی صاحب نے انہی کے لیے رقم رکھ چھوڑی تھی، ویسے زندگی میں بھی حضرت مفتی صاحب اپنے بھائی کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

اتباع سنت

کھانے پینے، رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، سفر وحضر، پیشاب پاخانے آتے جاتے دخول مسجد، خروج مسجد، وضوء، نماز غرض ہر امر میں اتباع سنت کا مکمل لحاظ فرماتے تھے۔

راقم الحروف نے کئی مرتبہ دیکھا کہ جب بھی سفر میں جانا ہو کمرے میں دوگانہ ادا فرماتے، سفر کی مسنون دعاؤں کا اہتمام فرماتے، گاڑی میں بیٹھنے کے بعد فوراً امیر کا تقرر کرلیتے، اور درمیان سفر میں نماز وغیرہ معمولات کی مکمل پابندی فرماتے اور واپسی پر سب

سے پہلے مسجد تشریف لے جاتے اور دوگانہ ادا فرماتے۔

مولانا اختر صاحب پٹنی ناقل ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ کئی اسفار کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت مفتی صاحب سفر کے دوران چھوٹی سی چھوٹی سنت پر بڑے ہی اہتمام کے ساتھ عمل فرماتے اور اپنے معمولات بھی بڑے ہی اہتمام کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

کشف وکرامات

دین وشریعت میں کشف وکرامات مقصود نہیں ہے، اصل اتباعِ شریعت اور اتباعِ سنت ہے، ان دو امور کے بعد اگر کوئی کشف وکرامات ظاہر نہ ہوتو بھی کوئی نقصان کی بات نہیں، لیکن عقائد کی کتابوں میں کرامات الاولیاء کو حق قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی خاص مصلحت کے پیش نظر اپنے مخصوص بندوں سے خارق عادت امور کا اظہار فرما کر اپنی قدرت کے کرشمے دکھاتا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ کے کشف کا توکئی لوگوں کو تجربہ ہے۔ کچھ واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ یقین ومشاہدات کے مقام پر فائز تھے۔

(۱) ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''ہر جمعہ آٹھ بجے کے قریب ہمارے اس جامعہ (دار العلوم وناکپور، گودھرا) پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت نازل ہوتی ہے۔

دریافت کیا گیا کہ مفتی صاحب! کس جگہ نازل ہوتی ہے؟

حضرت مفتی صاحب اس وقت باہر بیٹھے ہوئے تھے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: مسجد کے صحن کے بالکل بیچ و بیچ! (ناقل: حضرت مفتی امین صاحب مدظلہ العالی)

(۲) ایک مرتبہ خوش وخرم اپنی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے، دریافت کیا گیا کہ مفتی صاحب! آج بہت خوش ہیں! کیا بات ہے؟

فرمانے لگے کہ: جنت قریب ہو رہی ہے، عمرِ عزیز پوری ہو رہی ہے، قبر میں خوب سوئیں گے۔ (ناقل: حضرت مفتی امین صاحب مدظلہ العالی)

(۳) ایک مرتبہ حضرت علامہ فخر الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری میں حضرت مفتی سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ عبارت خوانی کر رہے تھے، ایک لفظ کے تلفظ پر حضرت نے ان کو روکا اور فرمایا کہ: "سعید! اس لفظ کا تلفظ اس طرح نہیں ہے، بلکہ اس طرح ہے۔" حضرت مفتی سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نہیں حضرت! اس کا تلفظ اسی طرح ہے، کافی بحث ہوئی، اس وقت حضرت فخر الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ "ہم تو ابھی تک اس طرح پڑھاتے آئیں ہیں، جب آپ پڑھائیں تو اپنی تحقیق کے مطابق پڑھانا!" حضرت مفتی ابراہیم آچھودی صاحبؒ نے فرمایا کہ: میں نے درس کے بعد حضرت مفتی سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ: "سعید! تم یہاں بخاری پڑھاؤ گے"۔ بعد میں ایسا ہی ہوا۔

(۴) مولانا سفیان بڈھا صاحب ناقل ہیں کہ: ایک بار میں والد صاحب کے ساتھ مفتی صاحبؒ کی معیت میں راندیر گیا تھا، وہاں مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحبؒ کی ملاقات کے لیے بھی جانا ہوا تو اس وقت مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحبؒ نہایت کمزور اور لاغر ہو گئے تھے، مفتی عبدالرحیم صاحبؒ بات کرتے تو بہت توجہ کے ساتھ سننا پڑتا تھا، اس وقت مفتی عبدالرحیم صاحبؒ نے مفتی صاحبؒ سے فرمایا کہ مفتی صاحب! دنیا میں اب میرا وقت ختم ہو گیا، مفتی صاحبؒ نے پوچھا حضرت! آپ کیسے کہہ رہے ہو؟ تو مفتی عبدالرحیم صاحبؒ نے فرمایا کہ: مفتی ابراہیم صاحب! جب فتاوی رحیمیہ کی پہلی جلد چھپ کر آئی تھی اس وقت آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے فتاوی کی دس جلدیں مکمل ہوگی، تو اب دس جلدیں مکمل ہو گئیں۔

اور ایک بار میں (مفتی عبدالرحیمؒ) نے خواب میں حضرت نوحؑ کو دیکھا تھا تو آپ

(مفتی ابراہیم) نے تعبیر بتائی تھی کہ میری سو سال کی عمر ہوگی۔ تو اب میں سو سے اوپر نکل گیا ہوں۔ اس لیے اب میری زندگی ختم ہوگئی۔ اس کے کچھ مدت بعد ہی مفتی عبدالرحیم صاحبؒ کا انتقال ہوگیا تھا۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبداللہ بود (مولانا سفیان بڈھا صاحب)

(۵) ۲۰۰۲ء میں جب میں عربی سوم کا طالب علم تھا، ششماہی کے بعد عرفان سیوانی نام سے موسوم ایک طالب نے عربی سوم میں داخلہ لیا، وہ حضرت مفتی صاحبؒ سے کافی متأثر تھے، اس لیے عشاء کے بعد حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں چلے جاتے تھے، ایک، دو دن کے بعد مفتی صاحبؒ نے حالات دریافت کیے، ان کی باتیں سن کر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ: ششماہی کے بعد آئے ہو تو سال پورا کرنے آئے ہو یا پڑھنے کے لیے آئے ہو؟ حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ جملہ دو مرتبہ دوہرایا۔

بعد میں ہوا بھی ایسا ہی کہ وہ عربی چہارم کے لیے نہیں آسکے اور عربی چہارم کے لیے "جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا" میں داخلہ لے لیا اور وہی سے فارغ التحصیل ہوئے۔

(۶) انہی کا یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس جیب خرچی کے پیسے ختم ہوگئے، مستقبل قریب میں گھر سے پیسے آنے کی کوئی امید بھی نہیں تھی، وہ پریشان تھے، پچاس روپئے کی اشد ضرورت تھی، عشاء کی نماز کے بعد دعا کی، نماز و دعا سے فارغ ہوکر جب باہر نکلے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے بلایا اور پچاس روپئے دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اتنے ہی مانگے تھے نا!

(۷) راقم الحروف کی جماعت میں ایک طالب علم مولوی فاروق صاحب کشمیری تھے، ان کے ساتھ بھی اسی طرح کا واقعہ پیش آیا وہ فرماتے تھے کہ: میری ضرورت کا میرے خدا

کے سوا کسی کو علم نہیں تھا، اللہ تعالیٰ سے دعا کی، دعا سے فارغ ہو کر نکلا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے بلا کر مطلوبہ رقم عنایت فرمادی۔

(۸) مولانا محبوب شبور یا صاحب کو دوران درس فرمایا تھا کہ: آپ میاں برادری کے بچوں کو پڑھاؤ گے، بعد میں ایسا ہی ہوا کہ مولانا کو فراغت کے بعد ساولی واڈ گودھرا میں تدریسی خدمات انجام دینے کا موقع ملا، جہاں اکثر طلباء میاں برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۹) ایک مرتبہ حضرت درس دے رہے تھے، دوران درس اچانک ایک آدمی حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ کی جانب سے بطور ہدیہ کچھ رقم لے کر آیا تو وہ آدمی کچھ کہے اس سے پہلے ہی حضرت نے اس آدمی سے کہا کہ: ''مولانا ابراہیم صاحب دیولہ نے بھیجا ہے؟'' اس آدمی نے کہا کہ: ہاں! پھر مفتی صاحب نے فرمایا کہ: جب بھی حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ خواب میں آتے ہیں تو دوسرے دن مولانا ابراہیم صاحب دیولہ کی جانب سے کچھ نہ کچھ ہدیہ آتا ہے، اور کل رات کو بھی حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ خواب میں آئے تھے! (ناقل: مفتی مجاہد شہرادی)

نئی دہلی سے غازی آباد والے راستے پر رات کو خاص طور پر چیونٹیوں کی طرح ٹرافک رہتی ہیں، کوئی کسی کی نہیں سنتا، سب کو منزل پر پہنچنے کی فکر رہتی ہے ایک مرتبہ ڈرائیور رات کے وقت دہلی سے دیوبند کا راستہ بھول گیا، تو حضرت مفتی صاحبؒ نے بڑے اطمینان سے فرمایا کہ: گھبراؤ نہیں! ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی فرشتہ ضرور بھیج دیں گے۔ تھوڑی ہی دیر میں اچانک ہیل میٹ پہنے ہوئی ایک نوجوان لڑکا چلتی ہوئی گاڑی کی کھڑکی کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ کو دیوبند جانا ہے؟ میرے پیچھے پیچھے آیئے!

تقریباً بیس کلومیٹر تک اس نے رہبری کی اور دیوبند کے راستے کی طرف اشارہ کر کے وہ آدمی کہاں چلا گیا پتہ ہی نہیں چلا! (حضرت مفتی محمود بارڈولی صاحب مدظلہم العالی)

اکابر ومعاصرین سے ربط وتعلق

حضرت مفتی صاحب نے اپنے اکابر اور معاصرین سے ہمیشہ اچھے مراسم رکھے، ہمیشہ ان کی خوبیوں کا تذکرہ فرماتے اور موقع بموقع درس میں اور اپنی نجی مجالس میں ان کا تذکرہ فرماتے تھے، کچھ واقعات قلمبند کئے جاتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی ہمیشہ سے یہ عادت تھی کہ جب بھی کوئی دیوبند، سہارنپور، ڈابھیل وغیرہ مدارس میں جاتا تو وہاں کے اساتذۂ کرام جیسے مفتی سعید صاحب پالنپوریؒ، مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا سالم صاحبؒ، حضرت مولانا اسلم صاحبؒ، حضرت مولانا خورشید صاحبؒ، حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ، حضرت مولانا اطہر صاحبؒ، حضرت مولانا عاقل صاحب، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم، حضرت مولانا شیخ اکرام علی بھاگلپوریؒ، حضرت مولانا واجد صاحب دیوبندیؒ وغیرھم کو کچھ نہ کچھ ہدیۃً ضرور بھیجتے اور سلام ودعا کی درخواست فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم جامعہ میں تشریف لائے، ناشتہ میں کچھ پھل پیش کیے گئے، حضرت مفتی صاحب نے سیب کا ایک ٹکڑا اٹھا کر حضرت اقدس مفتی احمد صاحب کو دیتے ہوئے فرمایا کہ: اس میں سے آپ آدھا کھائیے اور بچا ہوا مجھے دیجئے، تاکہ آپ کی برکت مجھے حاصل ہو، حضرت اقدس مفتی احمد صاحب چوں کہ حضرت مفتی صاحب کو اپنے استاذ کا درجہ دیتے تھے؛ اس لیے تھوڑی دیر سوچنے لگ گئے پھر حضرت مفتی صاحب کے ہاتھ سے لیتے ہوئے فرمایا کہ: چوں کہ اس سیب کے ٹکڑے کے ساتھ آپ کا دست مبارک لگ گیا ہے؛ اس لیے سب سے پہلے مجھے برکت حاصل ہوگی۔

اللہ اللہ! ایک طرف حضرت مفتی صاحب کا اپنے معاصر کی اس قدر قدر دانی دوسری طرف حضرت اقدس مفتی احمد صاحب کا حکمت سے بھرا جواب جس میں حضرت مفتی صاحب

کے مقام کی مکمل رعایت۔

مولانا سفیان بڈھا صاحب ناقل ہیں کہ: ایک بار حاجی احمد کوٹھی صاحب کے ساتھ ہردوئی جانا ہوا تو مفتی صاحب نے حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئی صاحبؒ کے لیے دس روپیے بھیجے تھے، عشاء کے بعد حاجی احمد صاحب کے ساتھ حضرت ہردوئی کی آرامگاہ میں جانے کا موقع ملا اور وہی پر حضرت مفتی صاحبؒ کا ہدیہ پیش کیا تو حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ نے فرمایا کہ اصل ہدیہ یہ ہیں! مزید مولانا ہردوئیؒ نے باقی تمام ہدایا اور رقم کو گھر میں بھجوادیا اور مفتی صاحبؒ کے دس روپیے اپنے جیب میں رکھ لیے تھے، پتہ نہیں حضرت ہردوئیؒ نے اپنی روحانی نظروں سے اس دس روپیوں میں کیا دیکھا ہوگا!

مولانا مشتاق ملاں صاحب ناقل ہیں کہ: ایک مرتبہ جب میں دارالعلوم میں بحیثیت طالب علم منسلک تھا تو ''مولانا ابراہیم دیولا صاحب دامت برکاتہم'' نے ماسٹر عبدالرحیم چرخا (چرخا صاحب) کے توسط سے دو ہزار ہدیۃ بھیجے تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ: میرا اسلام عرض کرنا اور ان کو یہ بتلانا کہ ''اب دو ہزار سے کام چلنے والا نہیں، مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے،'' یہ کہہ کر ہنس پڑے، چرخا صاحب بھی مسکرائے۔

مفتی صاحب نے ایک مرتبہ دوران درس یہ بھی فرمایا کہ ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں یا کسی اور موقع پر مولانا ابراہیم دیولا صاحب ہمارے گھر تشریف لاتے تو والدہ پہلے سے کہہ دیتی آج تو ابراہیم ہمارے گھر آئے گا اور پھر ان کے احترام میں پر تکلف کھانا پکاتی، حضرت مفتی صاحب کو مولانا ابراہیم کے ساتھ اس درجہ اپنائیت تھی۔

مفتی صاحب کو ''مولانا محمد رضا اجمیری رحمۃ اللہ علیہ'' سے بھی والہانہ تعلق تھا، ان کے بھی بہت سے واقعات سناتے تھے۔

فرماتے تھے کہ: جب میں مولانا کے پاس جاتا بڑی محبت سے مجھ سے ملتے، اگر

رمضان میں کبھی میں پہنچ گیا تو مولانا محمد رضا صاحب فرماتے کہ: مولوی ابراہیم! سفر میں ہو، اگر روزہ نہ ہو تو کھانا لگا دوں! اس قدر وہ ان کا خیال رکھتے، اسی تعلق کی بناء پر حضرت الاستاذ قاری رشید احمد اجمیری سے بھی حضرت مفتی صاحب سے بہت محبت فرماتے تھے۔

حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری تو ان کے ہم درس تھے، ان کے خاندان کے ساتھ تو برادرانہ تعلق تھا، جب دار العلوم دیوبند سے ان کے تقرر کے حوالے سے پیش کش آئی تو سب سے پہلے مفتی صاحب سے مشورہ کیا کہ کیا کروں؟ تو مفتی صاحب نے فرمایا آپ چلے جاؤ!

مفتی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ: جب کوئی گھریلو معاملہ مفتی سعید صاحب کو پیش آتا اور والد صاحب سے وہ معاملہ طے کروانا ہوتا تو مجھ سے مفتی سعید رجوع کرتے اور کہتے میرے والد صاحب آپ کے علاوہ کسی کی بات نہیں مانیں گے اور پھر مفتی صاحب ان سے بات کرتے اور معاملہ کو حل فرماتے تھے۔ (مولانا مشتاق ملاں صاحب)

رزق کی قدر

جہاں مفتی صاحبؒ علمی کتابوں اور اہل علم کے قدردان تھے اور اس معاملہ میں ادب کو خوب ملحوظ رکھتے تھے، وہی پر رزق کے معاملے میں بھی بہت ہی باادب تھے، رزق کا بھی حد درجہ ادب واحترام کرتے تھے۔

مولانا سفیان صاحب بڈھانا نقل ہیں کہ: حضرت مفتی صاحب ایک بار ہمارے گھر تشریف لائے تھے، گرمی کا موسم تھا، مفتی صاحب تھے اور ہمارے گھر کے افراد بس۔ کھانے کے بعد مفتی صاحب کو آم کا جوس پیش کیا گیا، جب گلاس خالی ہوا تو مفتی صاحبؒ نے پانی مانگا، مجھے بہت تعجب ہوا کہ آم کے جوس کے بعد پانی طبی لحاظ سے مضر ہے، مگر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مفتی صاحبؒ کو پانی پیش کیا تو مفتی صاحب نے جوس کے خالی گلاس میں تھوڑا پانی ڈالا پھر اس

پانی کو انگلی سے برابر گھولا پھر اس کو پی گئے، مجھے یہ معاملہ دیکھ کر اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔

لیکن پھر غالباً ملفوظات فقیہ الامت میں کسی جگہ پر مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحبؒ نے یا کسی اور کتاب میں مولانا یعقوب نانوتوی صاحبؒ کے کسی ساتھی کے بارے میں لکھا دیکھا کہ وہ کھانے اور چائے وغیرہ کے بعد کلی کرتے وقت کلی کرنے کے بجائے کلی کا پانی پی جایا کرتے تھے اور وجہ یہ بتاتے تھے کہ کلی کرتے وقت رزق کے بہت سے ذرات کلی کے پانی کے ساتھ پانی میں بہہ جاتے ہیں اور یہ رزق کی بے ادبی ہے، اس لیے وہ کلی کا پانی پی جاتے تھے۔

یہ ملفوظ جب میں نے پڑھا تو مفتی ابراہیم صاحبؒ کا وہ عمل میرے ذہن میں آیا کہ مفتی صاحب نے بھی شاید اسی وجہ سے وہ جوس کے گلاس میں پانی گھول کر پیا تھا۔ لیکن اس کے بعد مفتی صاحبؒ کو دسیوں بار دیکھا کہ کھانے کے برتن کو بھی برابر صاف کر کے اس برتن میں پانی ڈال کر برتن کو برابر ہلا کر وہ پانی پی جاتے تھے، یہ سب رزق کا ادب تھا۔

اللہ اکبر! یہ لوگ کیسے تھے کہ بظاہر چھوٹی نظر آنے والی چیزوں پر بھی کس اہتمام سے عمل پیرا تھے، اور ان کی نظروں میں رزق کے ان چھوٹے چھوٹے ذرات کی بھی کیا قدر تھی!!

(انتھی کلامہ)

راقم الحروف نے بارہا دیکھا کہ جب آئس کریم تناول فرماتے تو چمچ سے کھانے کے بعد جو ذرات ڈبے میں بچ جاتے انہیں انگلی ڈال کر چاٹ لیا کرتے تھے، تاکہ برتن صاف کرنے کی سنت پر بھی عمل ہو جائے اور رزق کی قدردانی بھی ہو جائے!

اسی طرح صبح چائے پیش کی جاتی تو پہلے دریافت فرماتے رات کی بچی ہوئی روٹی ہے؟ اگر رات کی بچی ہوئی روٹی ہوتی تو پہلے رات کی روٹی بچی ہوئی تناول فرماتے پھر صبح کی تازہ روٹی تناول فرماتے۔

تقریر وخطابت

کہتے ہیں کہ عشق ومشک چھپائے نہیں چھپتا، مفتی صاحبؒ کو چوں کہ کتابوں سے عشق تھا، اس لیے مفتی صاحبؒ کبھی کسی موضوع پر اٹکے نہیں، جہاں جیسا موقع ہوتا اس اعتبار سے ان کے جواہر پارے قیمتی موتیوں کی طرح لڑھکنے لگتے۔

مفتی صاحبؒ کو اکابر کی سوانح پڑھنے کا خاصا شغف تھا، خود مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے اکابر کی سوانح پڑھنے میں جتنی دلچسپی ہے کسی اور موضوع میں نہیں ہے، جس پر کتابی کیڑا ہونے کا محاورہ صادق آتا ہو وہ شخص اگر کسی چیز کے بارے میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرے تو کیا خیال ہے کہ اس موضوع پر ان کے مطالعے کا کیا عالم ہوگا؟!

یہی وجہ تھی جہاں کہیں مجلس ہو مفتی صاحب میر محفل بن جاتے اور اپنی مرنجا مرنج گفتگو سے مجلس کو پُر بہار بنادیتے، اکابر کے حالات، ان کی حیات کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کر کے اہل محفل کو باندھ دیتے اور لوگ بھی مفتی صاحبؒ کو دیکھتے ہی پروانہ وار گرتے۔

ایک کامیاب مقرر کے لیے یہ بات از حد ضروری ہے کہ اس کے پاس اسلاف کے حالات کا وافر ذخیرہ موجود ہو، کہ وہ اپنی تقریر کے دوران اسلاف کے حالات بھی سامعین کے گوش گذار کر سکے اور سامعین خشک سے خشک موضوع کو بھی دلچسپی سے سن سکے۔

حضرت مفتی صاحبؒ ویسے نہ عوامی مقرر تھے اور نہ مفتی صاحبؒ کو تقریر کی عادت۔ مزید یہ کہ مفتی صاحب ایک علمی شخصیت تھے اور عوامی سطح کی گفتگو کی عادت بھی نہیں تھی، اس کے باوجود جب کبھی عوام الناس میں تقریر کرنے کا موقع آتا تو مفتی صاحب اپنے سیدھے سادے انداز میں بیان کرتے مگر موضوع اور مضمون میں ایسا ربط ہوتا کہ سامعین کو باندھ کر رکھ دیتے، چوں کہ مفتی صاحبؒ وسیع المطالعہ شخص تھے، اس لیے مفتی صاحب کے بیان میں مضامین کی آمد ہوتی تھی، ان کو مضامین کے آورد کی کبھی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اور اپنے

بیان میں اسلاف کے حالات بکثرت سناتے تھے جس کی وجہ سے سامعین اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتے تھے۔ بلکہ بڑی دلچسپی سے جم کر مفتی صاحبؒ کی تقریر سنتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار مفتی سعید احمد پالنپوری صاحبؒ ختم مشکوۃ کے موقع پر دار العلوم وناکپور تشریف لائے تھے، تو مفتی سعید صاحبؒ کے تعارف کے لیے مفتی ابراہیم صاحبؒ کو دعوت دی گئی تو مفتی صاحبؒ نے اپنے سیدھے سادے انداز میں مفتی سعید صاحبؒ کے تعارف میں وہ سماں باندھا اور ایام رفتہ کی یادوں کو جو کھولا کہ مجمع سراپا گوش بن گیا۔ اس کے بعد جب مفتی سعید صاحبؒ کا نمبر آیا تو مفتی سعید صاحبؒ نے بالکل اپنے بیان کے ابتداء میں ایک بات فرمائی جو واقعی مفتی ابراہیم صاحبؒ کے لیے سند کی حیثیت تھی۔ مفتی سعید صاحبؒ نے فرمایا کہ: ''اگر مجھے ہندوستان کے مقررین کی فہرست تیار کرنے کے لیے کہا جائے تو میں سب سے پہلا نمبر اگر کسی کو دوں گا تو وہ مفتی ابراہیم آچھودی صاحبؒ کو دوں گا۔ مگر یہ چھپے بیٹھے ہے باہر نکلتے ہی نہیں۔'' (ناقل: مولانا سفیان بڈھا صاحب)

طلبہ پر شفقت

حضرت مفتی صاحب کا ایک امتیازی وصف طلبہ کے ساتھ شفقت بھرا معاملہ کرنا تھا، طلبہ کے راحت وآرام کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے، اہل مدارس کو کبھی نرمی کے ساتھ اور کبھی جلالی انداز میں اچھے سے اچھا کھانا کھلانے کی تاکید فرماتے تھے، کسی بھی مدرسہ میں جاتے تو مطبخ کی روٹی منگواتے اور اگر کچی ہوتی تو اچھی طرح اصلاح فرماتے تھے، صبح کے ناشتہ میں طلبہ کی ایک معتد بہ تعداد شریک ہوتی تھی، تعلیم وتربیت میں انداز جلالی تھا لیکن پھر ایسی شفقت فرماتے کہ کوئی طالب علم آپ سے کٹتا نہیں تھا۔ ٹھنڈی کے موسم میں طلبہ کے گرم لباس کا انتظام فرماتے اور اپنے ہاتھ سے تقسیم فرماتے تھے، نادار اور غریب طلبہ کے مستقل وظائف مقرر تھے؛ جو بروقت انہیں پہنچائے جاتے تھے۔

مفتی الطاف تاجپوری ناقل ہیں کہ: ایک مرتبہ بارش کا موسم تھا، حضرت مفتی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ بازار سے بیسن لے آؤ! اور تم چار ساتھی بھجئے بنا کر کھاؤ! ہم بیسن لے آئے اور حضرت مفتی صاحب کے گھر پر بھجئے بنانے لگے،، ہم پیاز اور مرچی وغیرہ کاٹ رہے تھے، تو مفتی صاحب بھی ہمارے پاس بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے، جب بھجئے بن گئے حضرت مفتی صاحب نے ہم چاروں کو دسترخوان پر بٹھایا اور وہ خود بھجئے نکال نکال کر ہم کو کھلا رہے تھے، ہم نے حضرت مفتی صاحب کو ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہونے کو کہا تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ نہیں میں نہیں کھاؤں گا۔ آپ لوگ کھاؤ!

کھانے کے دوران جب ہمیں پسینہ ہونے لگا تو مفتی صاحب آگے کے کمرہ سے ہاتھ پنکھا لے آئے اور ہمیں ہوا دینے لگے۔

ہم نے مفتی صاحب کے ہاتھ کو روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ مفتی صاحب! آپ ہمارے استاد ہیں اور ہم آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ ایسا نہ کریں!

حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے کہ: آپ اللہ کے رسول کے مہمان ہیں! میں نبی ﷺ کے مہمانوں کی خدمت کرتا ہوں۔ یہ فرما کر حضرت مفتی صاحب ہمیں ہوا دیتے رہیں۔

اللہ! اللہ! حضرت مفتی صاحب کیا تھے!!

سادات سے محبت

حضرت مفتی صاحبؒ سید خانوادہ سے بڑی والہانہ محبت فرماتے تھے۔

مولانا انس صاحب ناقل ہیں کہ: ہماری جماعت میں ایک سید گھرانے کا طالب علم تھا، وہ جب تک آپ کے حجرے میں نہ آجاتا، حضرت مفتی صاحب کھانا نہیں کھاتے تھے اور جب ہم سال کے آخر میں مفتی صاحب کے کمرے میں ملاقات کے لیے گئے، تو سب طلبہ نے ملاقات کی، لیکن جب وہ طالب علم آیا تو مفتی صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے چوما اور

پھر زور زور سے رونے لگے۔

اطراف میں بھی کچھ سید گھرانے کے لوگ رہتے ہیں، آخر تک حضرت مفتی صاحب کا معمول تھا کہ ہر مہینے ان کو کچھ نہ کچھ ہدیہ دیا کرتے تھے اور خود اپنے ہاتھ سے دینے جاتے تھے۔ (انتھی کلامہ)

ایک مرتبہ ایک سید صاحب مسجد کی صفائی کے لیے آئے تھے اور حضرت ہمیشہ کی طرح مسجد کی سیڑھیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، سید صاحب حضرت کے لیے پانی لے کر آئے، حضرت نے دور سے دیکھ لیا، آپ کھڑے ہو گئے، آگے آ کر اُن سے پانی کا گلاس لے لیا اور انتہائی ناراضگی سے فرمایا: "یہ کیا ظلم کیا! آپ تو سیّد ہے"۔ (ناقل: مولانا عبدالقادر داؤ صاحب)

طب وحکمت میں مہارت

مفتی عثمان صاحب گینی ناقل ہیں کہ: ویسے تو حضرت رحمہ اللہ نے طب وحکمت میں با قاعدہ کوئی نصاب یا کورس نہیں کیا، البتہ اس لائن کی بہت سی کتابوں کا آپ نے مطالعہ کیا تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس سلسلے کی ایک درجن سے زائد کتابیں آپ کے پاس ہر وقت موجود تھیں، انہی کتابوں کے مطالعے اور اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں آپ نے جس بیماری کے لیے جو بھی علاج تجویز فرمایا وہ تیر بہدف ثابت ہوا، چناں چہ ایک مرتبہ احقر نے عرض کیا کہ قبض کا کیا علاج ہے؟ تو مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا بڑی ہڑ (موٹی ہڑ) کو پیس کر ایک ڈبہ میں محفوظ کر لو! ذائقہ کے لیے تھوڑا سا نمک ملا کر صبح نہار منھ ایک چمچ گرم پانی کے ساتھ پھانک لو، پھر ایک کتاب کھول کر بڑی ہڑ کے فوائد خود پڑھ کر سنائے اور فرمایا کہ: وہ (موبائل) ہو تو فوٹو کھینچ لو، پھر چند دنوں کے بعد حاضری ہوئی تو فرمایا کہ: اب کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: بہت فائدہ ہوا، اس کے بعد تاکیداً فرمایا کہ: جو بھی قبض کی شکایت کرے اس کو یہ دیدو!

ایک بار ملتانی مٹی کے فوائد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ابھی چند دن پہلے ایم۔ پی۔ کے ایک مولوی صاحب آئے تھے جو ہمارے مدرسہ کے طالب علم تھے، انہوں نے خونی بواسیر کی شکایت کی کہ سال بھر سے ڈاکٹروں سے علاج کرواکر پریشان ہوگیا ہوں، آپ کچھ دوا بتلائیں! میں نے کہا کہ: ملتانی مٹی ایک چمچ ایک پیالہ پانی میں گھول کر رات بھر رکھ دو، صبح نہار منہ اس پانی چھان کو کر پی لو! تین دن میں ہی وہ صحت یاب ہوگئے۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ: پانچ عدد بادام رات بھر پانی میں بھگو کر صبح اس کا چھلکا اتار کر کھانے سے دماغ کبھی تھکتا نہیں ہے۔

تعبیر الرؤیا میں مہارت

خواب خصالِ انسانی کا حصہ ہیں ہر انسان زندگی میں اس سے دوچار ہوتا ہے، کبھی اسے اچھے اور کبھی بڑے خوف ناک خواب دکھائی دیتے ہیں، جب آدمی اچھے خواب دیکھتا ہے تو اس بات کی تڑپ ہوتی ہے کہ خواب میں اسے کیا اشارہ ہوا ہے اور جب برے خواب ہوں تو خوف زدہ ہوجاتا ہے، ایسے میں انسان کی قرآن وسنت سے رہنمائی بہت ضروری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جس امر سے وحی کی ابتدا کی گئی وہ آپ کے سچے خواب تھے، آپ جو بھی خواب دیکھتے اس کی تعبیر صبح کے پھوٹنے کی مانند بالکل آشکار ہوجاتی''۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیسواں حصہ ہے''۔

خوابوں کی تعبیر، احکام اور اقسام کے حوالوں سے احادیث میں تفصیل موجود ہے۔

خواب کی تعبیر میں مہارت کے لیے ضروری ہے کہ آدمی فن تفسیر، فن حدیث، قیاس، تشبیہ، لغت عربی وغیرہ میں ماہر ہو، نیز اس کا دل دنیوی علائق سے پاک وصاف ہو، اسے رجوع الی اللہ اور انابت الی اللہ کا وافر حصہ ملا ہو، ایسے آدمی کی تعبیر اقرب الی الصواب ہوتی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ ان مذکورہ اوصاف سے بدرجۂ اتم متصف تھے، اس لیے آپ کو فن تعبیر میں عجیب وغریب مہارت حاصل تھی، خواب دیکھنے والوں کو آپ جن خدشات سے آگاہ فرماتے یا جو بشارتیں سناتے یا کسی کو عملی کوتاہی پر تنبیہ فرماتے تو وہ چیزیں سو فیصد صحیح ثابت ہوتی تھی۔

چند خواب اور ان کی تعبیر

(۱) ایک مرتبہ ایک عالم نے خواب دیکھا کہ وہ اور ایک دوسرے عالم حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، وہ جگہ نامعلوم ہے، مگر وہاں ایک بڑی مسجد تعمیر ہورہی ہے اور حوض کے قریب حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری تشریف فرما تھے، پہلے ایک عالم نے حضرت سے مصافحہ کیا حضرت نے بہت بشاشت کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے اپنا سر اس طرح ہلایا جیسے ہم مخاطب کی خیریت معلوم کرتے وقت سر ہلاتے ہیں، اس کے بعد دوسرے عالم نے مصافحہ کیا اور یہی ماجرا پیش آیا، پھر پہلے مصافحہ کرنے والے عالم پتہ نہیں کہاں چلے گئے اور دوسرے عالم کو کچھ لوگوں نے دسترخوان پر کھانے بٹھادیا۔

حضرت مفتی صاحب نے خواب کی تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ: آپ دونوں علماء پر حضرت مفتی احمد صاحب کی توجہ ہے، پہلے مصافحہ کرنے والے عالم کو عنقریب مفتی احمد صاحب خلافت دیں گے۔ اور دوسرے عالم آگے چل کر مجاز ہوجائیں گے۔

اس خواب کے تقریباً آٹھ ماہ کے بعد اس آدمی کو خلافت دی گئی، گویا حضرت مفتی صاحب نے آٹھ ماہ کے بعد پیش آنے والے ایک واقعہ کو ایک خواب کے ذریعہ بھانپ لیا۔

(۲) ایک مرتبہ ایک آدمی کے آپریشن کے متعلق استخارہ کیا گیا، استخارہ کرنے والے نے خواب دیکھا کہ ایک قابل احترام عالم دوڑ رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب سے تعبیر معلوم کی گئی تو حضرت نے فرمایا کہ: دوڑنا یہ تندرستی کی علامت ہے، آپریشن کروالیں، انشاء اللہ! آپریشن کامیاب ہوگا، اور مریض کو صحت حاصل ہوجائے گی۔

(۳) ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ ایک عورت اس پر پھونکیں مار رہی ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے تعبیر دی کہ اس عورت نے اس آدمی پر جادو کردیا ہے، اس آدمی سے کعب احبار کی دعا پڑھنے کے لیے کہئے! چناں چہ اس آدمی نے کعب احبار سے منقول دعا پڑھنی شروع کی، ابھی ایک ہفتہ ہی گذرا تھا کہ واپس اسی عورت کو خواب میں دیکھا کہ اس عورت کا چہرہ بالکل سیاہ ہوچکا ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے تعبیر دی کہ وہ عورت اپنے جادو میں ناکام ہوگئی ہے اور اس آدمی سے جادو اتر گیا ہے۔

(۴) ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے بارے میں پندرہ، بیس دن کے وقفہ سے تین مرتبہ ایک ہی خواب دیکھا کہ اس دوسرے آدمی کی شادی ہورہی ہے اور کوئی بچہ گہوارے میں کھیل رہا ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے تعبیر دی کہ جس آدمی کے بارے میں خواب دیکھا گیا ہے اسے تین مرتبہ جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

(۵) ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ اس کا انتقال ہوئے پندرہ، بیس دن ہوگئے ہیں، اس آدمی نے خواب ہی میں سوچا کہ لاؤ! قبر دیکھیں کہ نعش صحیح وسالم ہے یا پھول پھٹ گئی ہے؟ قبر میں جھانک کر دیکھا تو نعش بالکل صحیح وسالم تھی۔

حضرت مفتی صاحب نے خواب کی تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ: خواب دیکھنے والے کو شہادت کا درجہ نصیب ہوگا، اور فرمایا کہ: یہ اس آدمی کے لیے عظیم بشارت ہے۔

(۶) ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل کے گھر اسے دعوت اسلام پیش کرنے کے لئے گئے ہوئے، خواب دیکھنے والا بھی ساتھ میں ابو جہل کے گھر میں موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابو جہل کو دعوتِ اسلام پیش کی تو وہ بکواس کرنے لگا اور قریب تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کردے، خواب دیکھنے والے نے دل ہی دل میں سوچا کہ اگر ابو جہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ کا دفاع کرے گا۔

حضرت مفتی صاحب نے تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ اچھا خواب ہے، اور خواب دیکھنے والا جہاں ہے، وہاں کے لوگوں کو وہ کچھ اصلاح کی باتیں پیش کرنے کا درد رکھتا ہے، لیکن وہاں کے لوگ اس کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

(۷) ایک طالب علم نے درجۂ مشکوۃ پڑھنے کے دوران خواب دیکھا کہ وہ دار العلوم دیوبند حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تنہا ایک کمرہ میں تشریف فرما تھے، اس طالب علم نے ملاقات کی، حضرت نے اپنے سر سے اس طرح اشارہ فرمایا جس طرح ملاقات کے بعد رخصت ہونے کی اجازت لینے والے کو کیا جاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے اس خواب کی تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے مشکوۃ شریف پڑھنے کی وجہ سے قاری صاحب کی طرف سے آپ کو حدیث کی اجازت حاصل ہو گئی، قاری صاحب کو مشکوۃ شریف سے بہت لگاؤ تھا، ہوسکتا ہے آپ بھی مشکوۃ شریف پڑھائیں۔

اس طرح کے بہت سے خوابوں کی تعجب خیز تعبیرات ہیں جو حضرت مفتی صاحبؒ نے دی تھیں۔

مبشرات

خواب نبوت کا ایک جزء ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک خواب ہی کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ کے بارے میں حضرت حفصہ ؓ سے فرمایا تھا کہ: **تمہارے بھائی عبد اللہ ایک نیک آدمی ہیں**۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ سچا خواب یا تو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لیے کسی کو دکھلایا جاتا ہے، یہ تو عام خواب کی بات ہے، اگر خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہو جائے تو اس خواب کی سچائی میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا، شیطان میری صورت میں متمثل ہو کر نہیں آسکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے کچھ مبشرات ذکر کیے جاتے ہیں، یہ تمام مبشرات راقم الحروف نے خود بلا واسطہ حضرت مفتی صاحب کی زبانی سنے ہیں:

(۱) راقم الحروف جب عربی چہارم میں تھا، اس وقت مفتی صاحب کی طبیعت بہت زیادہ ناساز ہوگئی، اس وقت کے درجۂ مشکوۃ کے طلباء میں سے مولانا انس حیات صاحب، مولانا مزمل بھاگلیا صاحب، مولانا صلاح الدین صاحب دولا اور راقم الحروف، حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت کے لیے عشاء کی نماز کے بعد جاتے تھے، ایک دن حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ: **گودھرا کی ایک خاتون کو آج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرا نام لے کر فرمایا کہ: مفتی ابراہیم صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟ انہیں میرا سلام پہنچا دینا!**

اس خواب کو سنانے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ: دراصل بات یہ ہے کہ میں روزانہ جتنی مقدار میں درود شریف پڑھتا تھا اتنی مقدار اس بیماری کی وجہ سے مکمل نہیں کر پاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو درود شریف پہنچتا نہیں ہوگا، اس لیے طبیعت دریافت کی گئی۔

اس خواب سے حضرت مفتی صاحب کے مقام ومرتبے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور اخلاص واستقامت کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی فضیلت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۲) حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ: سلم العلوم پڑھنے کے سال ایک طالب علم میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے، حضرت مفتی صاحب فرماتے تھے: اتفاقاً میری زبان سے نکلا کہ کیا میرے بارے میں کوئی خواب دیکھا ہے؟ تو اس طالب علم نے کہا کہ ہاں! میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی شادی ہورہی ہے اور فرشتے آپ کو مبارک بادی پیش کررہے ہیں۔

میں نے اس خواب کی تعبیر قاری اصغر حسین صاحب سے دریافت کی تو حضرت نے فرمایا کہ: ''اس طالب علم کو جنت کی بشارت دے دو۔''

(۳) ایک دن حضرت مفتی صاحب نے ایک نجی مجلس میں فرمایا کہ: ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ میں (حضرت مفتی صاحبؒ) حدیث کا درس دے رہا ہوں اور نبی اکرم ﷺ وہاں قریب میں تشریف فرما ہیں، جب میں (حضرت مفتی صاحبؒ) حدیث کا مطلب بیان کرتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اثبات میں سر ہلاتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے اس خواب کی تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ: میں حدیث کا مطلب بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتا ہوں اور خوب اچھی طرح مطالعہ کرکے پڑھاتا ہوں جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہیں۔

(۴) حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ: میں دیوبند کے طالب علمی کے زمانے میں مزار قاسمی میں جایا کرتا تھا اور کچھ نہ کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کیا کرتا تھا، ایک روز خواب دیکھا کہ بہت سے طلباء مزار قاسمی میں موجود ہیں اور وہاں مدفون علماء بھی زندہ ہوکر قبروں سے باہر آگئے ہیں، طلباء حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، لیکن حضرت

نے کسی سے ملاقات نہیں کی، صرف مجھ ہی (حضرت مفتی صاحبؒ) سے ہی ملاقات کی۔
یہ ایصال ثواب کی برکت تھی۔

(۵) مولانا عباس صاحب دیولہ (سابق استاذ جامعہ رحمانیہ) نے خواب دیکھا تھا کہ وہ، حضرت مفتی صاحبؒ اور مہتمم صاحب حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ سے ملاقات کرنے کے لیے ان کے گھر گئے ہوئے ہیں اور بھی بہت سے لوگ وہاں موجود تھے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ نے ملاقات کرنے کے بعد کافی دیر تک حضرت مفتی صاحبؒ سے بات چیت کی پھر خواب دیکھنے والے نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب کا چہرہ حضرت نانوتوی صاحبؒ جیسا ہو گیا۔

اس خواب کی تعبیر یہ دی گئی تھی کہ علوم قاسمی حضرت مفتی صاحبؒ سے بہت سی جگہ پھیلیں گے۔

ایسا ہی ہوا، حضرت مفتی صاحبؒ نے کئی جگہ پڑھایا اور سب جگہ پوری امانت داری کے ساتھ تعلیم کا نظام درست کرنے کی مکمل کوشش اور محنت فرمائی تھی۔

(۶) مولانا عباس صاحب نے خواب دیکھا تھا کہ حضرت شیخ زکریا صاحبؒ اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے بعد حضرت مفتی صاحب اسی جگہ بیٹھے۔

یہ خواب اس وقت دیکھا تھا، جب مدرسہ میں مشکوۃ کا درجہ شروع نہیں ہوا تھا۔

خواب کی تعبیر یہ دی گئی کہ مدرسہ میں مشکوۃ اور دورۂ حدیث کا درجہ شروع ہوگا اور حضرت مفتی صاحب مسند حدیث پر متمکن ہوں گے، بعد میں ایسا ہی ہوا کہ حضرت مفتی صاحب نے کئی سال تک مشکوۃ شریف کا درس دیا، اور آخر میں جامعہ میں ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز ہوئے۔

(۷) حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ: جب میں وڈالی میں مدرس تھا، اس وقت ستپون میں مولوی اسماعیل غنی صاحب نے یہ خواب دیکھا کہ سورت میں لوگوں میں شور اٹھا

کہ حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ سورت تشریف لا رہے ہیں، میں نے (مولوی اسماعیل) سوچا کہ حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں تو ان کے خادم خاص حضرت مفتی ابراہیم صاحبؒ ضرور موجود ہوں گے، اسی دوران دیکھا کہ میں (حضرت مفتی صاحبؒ) چوک بازار کی طرف سے استقبال کے لیے آ رہا ہوں، میرا چہرہ روشن ہے، اور میں کالے بال والی سرخی مائل ٹوپی پہنے ہوئے ہوں، اتنے میں وہ بزرگ ٹرین سے اترے، وہ بزرگ مجھے بار بار گلے لگا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ: اے میرے پیارے! میں بھی (حضرت مفتی صاحبؒ) ان سے بار بار گلے مل رہا ہوں، اور کہہ رہا ہوں کہ: اے میرے آقا!

خواب میں ہی خواب دیکھنے والے (مولانا اسماعیل صاحب) کو خیال آیا کہ وہ بزرگ حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ نہیں ہیں، بلکہ ''خواجہ قطب الدین بختیار کاکی صاحبؒ'' ہیں۔

(۸) ایک بار سنایا غالباً لوناواڈا کے زمانے کا واقعہ ہے کہ جب وہاں کتابوں کی تقسیم ہو رہی تھی تو مجھے خواب میں ''حضرت جی مولانا یوسف صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ ''صاحب امانی الاحبار'' خواب میں آئے اور امانی الاحبار کے کچھ ورق مجھے دیئے، جب میں نیند سے بیدار ہوا تو میں نے خواب کی تعبیر یہ طے کی کہ ہو نہ ہو مجھے ''طحاوی شریف'' سپرد کی جائے گی اور ہوا بھی ایسا کہ انہیں اسی سال طحاوی شریف پڑھانے کا موقع ملا۔

(۹) ایک طالب علم کے استفسار پر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ: جوانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بہت سی مرتبہ ہوئی، ہمارے بزرگان دین میں سے اکثر کی خواب میں زیارت ہو چکی ہے۔

(۱۰) جامعہ میں دورۂ حدیث کے پہلے سال حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک خواب سنایا

کہ گودھرا سے ایک حافظ صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ رات کو میں نے یہ خواب دیکھا کہ میرا ساتھی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ مفتی ابراہیم آچھودی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے؛ تو میں نے اسے کہا کہ ہو ہی نہیں سکتا! پھر واپس کہا کہ مفتی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، تو میں نے کہا کہ ہو ہی نہیں سکتا! پھر واپس کہا کہ مفتی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، اتنے میں میری آنکھ کھل گئی تو میں نے سوچا کہ چلو! دارالعلوم میں جا کر دیکھتے ہیں کہ مفتی صاحب زندہ ہیں یا نہیں؟ جیسے میں دارالعلوم میں پہنچا تو مفتی صاحب اپنے کمرے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے، تو مجھے اطمنان ہوگیا کہ مفتی صاحب زندہ ہیں۔

پھر اس حافظ صاحب نے یہ خواب مجھے (حضرت مفتی صاحب) سنایا میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ میں تین سال تک بخاری شریف پڑھاؤں گا پھر ایک صاحب کو دے کر میں آرام کروں گا اور انہیں جو پوچھنا ہوگا مجھ سے پوچھ لیں گے۔

بعد میں ایسا ہی ہوا، حضرت مفتی صاحب نے تین سال کے قریب بخاری شریف کا درس دیا اور پھر ہمیشہ کے لیے آرام کی جگہ چلے گئے۔

(۱۱) جامعہ میں دورۂ حدیث کے پہلے سال حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک خواب سنایا کہ میں (مراد مفتی ابراہیم آچھودیؒ ہے) اور دورۂ حدیث کے تمام طلبہ کو شیخ فخر الدین صاحب (جو کہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھے) بخاری شریف پڑھا رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد شیخ فخر الدین صاحبؒ میرا ہاتھ پکڑ کر کے دوسرے کمرہ میں لے گئے اور میرا ہاتھ مفتی سعید پالنپوری صاحبؒ کے ہاتھ میں دے دیا۔ میں مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کا ہاتھ پکڑ کر ٹنکاریہ کے تالاب تک لے گیا، جیسے ہی ہم تالاب پر پہنچے تو میری آنکھ کھول گئی۔

میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی ہے کہ شیخ فخر الدین صاحبؒ یہ کہہ رہیں ہے کہ بخاری شریف میں جہاں کہی بھی کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ سے

رجوع کرلینا۔ (حضرت مفتی سعید صاحب اس وقت بقید حیات تھے۔

(۱۲) ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں، اور آپ کے سامنے موجودہ زمانہ کے معاصرین بیٹھے ہوئے ہیں، بطور خاص حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے سامنے یہ خواب بیان کیا گیا تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ: جب سے جامعہ میں بخاری شریف کا درس شروع ہوا ہے؛ تب سے مجھے خلجان تھا کہ میں صحیح پڑھا رہا ہوں یا نہیں؟ اور عند اللہ میرا درس مقبول ہے بھی یا نہیں؟ اس خواب سے دونوں باتوں کا خلجان دور ہو گیا، الحمد للہ

حضرت مفتی صاحب کا مزاح

حضرت مفتی صاحب مرنجان مرنج طبیعت کے آدمی تھے، اکثر خوش وخرم رہتے اور کچھ نہ کچھ مزاح کی باتیں آپ کی زبان پر آجایا کرتی تھی، لوناواڈا تدریس کے زمانے میں آپ کے خادم خاص مولانا عبد الرحیم درگاہی (امام وخطیب مسجد ربانی گودھرا) تھے، حضرت مفتی صاحب کو ان سے اس وقت سے انسیت تھی، مولانا عبد الرحیم صاحب نے بھی حضرت مفتی صاحب سے وفات تک اپنے تعلقات کو استوار رکھا، ہر جمعہ نیز وقتاً فوقتاً حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں آیا کرتے تھے، اکثر حضرت مفتی صاحب ان کا نام لے کر مزاحیہ جملے فرمایا کرتے تھے، دوسری طرف مولانا عبد الرحیم درگاہی نے آپ کو مکمل اجازت دی تھی، آپ میرے بارے میں جو بھی کہنا چاہے کہہ سکتے ہیں۔

ذیل میں حضرت مفتی صاحب کے چند مزاحیہ جملے ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) حضرت مفتی صاحب مزاحاً فرماتے تھے کہ: عبد الرحیم نے ہم سے الفاظ لیے ہیں اور ہم نے ان سے معانی لیے ہیں۔

(۲) مزید مزاحاً فرماتے تھے کہ: عبدالرحیم مادرزاد عالم ہیں، آج تک حضرت کو کتاب اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کے پاس استاذ محترم مولانا نثار صاحب مدظلہ العالی کے والد صاحبؒ آئے اور دردِ سر کی شکایت کی تو حضرت مفتی صاحب نے مزاحاً فرمایا کہ: ربانی مسجد کے امام مولانا عبدالرحیم درگاہی صاحب کی پیشانی پر بوسہ لے لو، درد ختم ہوجائے گا، وہ صحیح سمجھے اور عقیدت میں بوسہ لے لیا تو ان کا دردسر ختم ہوگیا۔

یہ واقعہ حضرت مفتی صاحب اکثر بڑے مزے لے کر سنایا کرتے تھے۔

(۴) حضرت مفتی صاحب یہ واقعہ بھی اکثر بہت ہی لطف لے کر سنایا کرتے تھے کہ: ایک مرتبہ ہم لوگ مولانا عبدالرحیم کے ساتھ تھے، کسی مسجد میں بیان کرنا تھا تو مولانا عبدالرحیم کو کھڑا کیا گیا، حضرت نے ''سورۂ والعصر'' کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ: اس سورۃ کی تفسیر کے لیے پوری رات چاہیے، پھر بیان شروع کیا اور پانچ منٹ میں ہی حضرت بیٹھ گئے۔ انہیں بیٹھتا دیکھ کر ہم تو بہت ہنسیں۔

(۵) ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کے پاس چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے، وہاں موجود ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ: یہ فلاں حضرت کے خلیفہ ہیں، تھوڑی دیر تبسم فرمانے کے بعد فرمایا کہ: ''اور میں شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا عبدالرحیم درگاہی صاحب کا خلیفہ ہوں''۔ بیٹھے ہوئے تمام لوگ حضرت مفتی صاحب کی یہ بات سن کر ہنس پڑے۔

(۶) ایک مرتبہ میں مولانا سلیمان بھاگلیا صاحب، مولانا فاروق عمرجی صاحب اور ان کے رفقاء کو حضرت مفتی صاحبؒ نے (یہ ان حضرات کے زمانۂ طالب علمی کا واقعہ ہے۔) کہا کہ ایک مٹھائی کا خالی بکس لو اور اس میں ایک زندہ مینڈک بھر و اور ایک دوسرے بکس میں مٹھائی بھر کر مولانا عبدالرحیم صاحب کو میری طرف سے پہنچادو! مولانا عبدالرحیم صاحب کو

یہ ہدیۂ پرخلوص پہنچادیا گیا، جب مولانا نے یہ بکس کھولا تو ایک دم مینڈک اچھل کر ان کے جسم پر آ گرا!!!

حضرت مفتی صاحبؒ یہ واقعہ بہت ہی مزے لے کر سنایا کرتے تھے اور اہل مجلس کو خوب ہنساتے تھے۔

یہ سب باتیں حضرت مفتی صاحبؒ مزاحاً فرماتے تھے، لیکن مولانا عبد الرحیم صاحب کے بارے میں ان کی عدم موجودگی میں فرماتے تھے کہ ''عبد الرحیم بہت نیک آدمی ہیں، شروع سے ہی اس بچے میں نیکی کا غلبہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں، کسی سے کوئی لینا، دینا ہی نہیں بس اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔''

متفرقات

(۱) آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی درسی کتاب کسی مدرس کے حوالہ فرماتے تھے تو اس مدرس کا پورا تعاون فرماتے تھے اور اس کی تمام تر شروحات بتاتے تھے اور مفید شرح کی بھی نشاندہی فرماتے تھے اور درس کا طریقہ بھی بتاتے تھے۔

(۲) اصول فقہ پر آپ کی اچھی نظر تھی، ایک بار اس موضوع پر دوران گفتگو آپ نے تمام کتب اصول فقہ کا تعارف کروایا تھا اور آپ نے علامہ آمدی کی ''احکام الاحکام'' کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا تھا۔

(۳) اپنے چھوٹوں پر شفقت اور ان کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، اپنے طلباء کے اچھے کاموں پر طلباء کے سامنے بھی ان کی تعریف کرتے تھے اور ان کی غیر موجودگی میں بھی تعریف کرتے تھے، مدرسے کے اساتذہ کی طلباء کے سامنے تعریف کرتے تھے اور اساتذہ سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

(۴) آپ جب کبھی کسی نئی کتاب کے بارے میں سنتے فوراً آپ اسے خریدتے اور

اپنی ذاتی کتب خانے میں شامل کرتے تھے۔

(۵) نماز خود بھی تعدیل ارکان کی رعایت کے ساتھ پڑھتے تھے اور طلبہ کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے، خاص طور پر جامعہ میں نماز پڑھانے والے طلبہ پر کڑی نظر رکھتے تھے، اگر کبھی بلا تعدیل ارکان نماز پڑھادی تو بہت خفا ہوتے تھے اور بھرے مجمع میں اصلاح فرماتے تھے۔

(۶) کرکٹ کے انتہائی مخالف تھے اور اسے حرام کہتے تھے کہ کبھی مدرسہ میں کسی کو کرکٹ کھیلتے ہوئے دیکھ لیتے تو اسی بلے سے اچھی طرح خبر لیتے تھے۔ اور فرماتے کہ یہ وباء یہاں نہیں ہونی چاہیے۔

(۷) مفتی صاحب کی مثال حجراسود جیسی ہے کہ حجراسود ایک گوشہ میں رکھا ہوا ہے، لیکن دنیا بھر کے امیر غریب، کالے گورے، بادشاہ فقیر آکر اس کا طواف کرتے ہیں اور اس کی برکتوں سے مستفید ہوتے ہیں، ٹھیک اسی طرح مفتی صاحب بھی دارالعلوم گودھرا کے ایک گوشہ میں پڑے ہوئے تھے اور تمام معاصر علماء صلحاء ان کے پاس آتے اور مستفید ہوتے تھے۔

(۸) حضرت مفتی صاحب علم وعمل ہو، تواضع وانکساری ہو، اتباعِ سنت ہو ہر میدان میں اپنی مثال آپ تھے، ان کا فیض آب زمزم کی طرح عام تھا، ہر کوئی آب زم زم پی کر اپنا جسمانی اور روحانی علاج کرتا ہے، اسی طرح لوگ حضرت مفتی صاحب کے پاس آکر علم شریعت وطریقت کا صاف شفاف پانی پی کر اپنا جسمانی وروحانی علاج کرتے تھے۔

(۹) مفتی صاحب کی مثال ایک صراحی (کیٹلی) کی مانند ہے جو خود بھری ہوئی ہوتی ہے لیکن جام کو اگر بھرنا ہو تو خود ہی جھک جاتی ہے، اسی طرح حضرت مفتی صاحب بھی علم شریعت وطریقت سے بھرے ہوئے تھے لیکن خود جھکے جاتے تھے اور جام بھرتے جاتے تھے اور پینے والے سیراب ہو کر سکون کا سانس لیتے تھے۔ نوٹ: آخری تین نمبر (۷،۸،۹) مولانا مشتاق ملاں صاحب کے مضمون سے ماخوذ ہیں۔

بابِ ہشتم

ملفوظات

ملفوظات

حضرت مفتی صاحب کی کوئی مستقل اصلاحی مجلس تو نہیں لگتی تھی، لیکن واردین وصادرین کے سامنے کچھ نہ کچھ اصلاحی باتیں سیدھے سادے انداز میں بیان فرمادیا کرتے تھے، کچھ حضرات نے ان باتوں کو اپنے مضامین میں قلمبند کیا، انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ناقل: مفتی نثار کلا صاحب مدظلہم العالی

(۱) اصل متون ہے اور متون پر گرفت ہونی چاہیے، اس کو حل کرنے میں زیادہ محنت کی جائے۔

(۲) درس میں ادھر ادھر کی زیادہ باتیں کرنے کے بجائے زیادہ زور متن کو حل کرنے پر لگانا چاہیے، جس مفتی کی نظر اور گرفت متن پر ہوتی ہے، اس کے لیے مسئلہ کو نکالنا اور سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔

(۳) آپ دو کتابوں کا خصوصی ذکر فرماتے تھے: (۱) بدائع الصنائع (۲) بحر الرائق۔

(۴) ایک عالم اور مفتی کو ایک متن مع دلائل دیکھنا چاہیے، جس میں آپ نے بدائع کا حوالہ دیا۔

(۵) میں نے بڑی محنت سے شامی کے اکثر حصہ کو دیکھ لیا ہے اور الحمدللہ آج بھی اس کا استحضار ہے۔

(۶) ''شرح المجلہ'' کو خوب دیکھو! خلافت عثمانی میں اسلامی عدالت میں بطور دستور نافذ تھا اور تمام مالی معاملات اور حقوق کے بارے میں فیصلہ اس مجلہ کی دفعات کی روشنی میں ہوتا تھا۔ (انتہی)

ناقل: مفتی آصف پٹیل صاحب زیدمجدہ

نوٹ: مندرجۂ ذیل ملفوظات حضرت مفتی صاحب ہی کی ہیں، البتہ ناقل نے انہیں

اپنی تعبیرات میں پیش کیا ہے:

(۱) اپنی نیت کو درست کرنا! کیوں کہ نیت درست ہوگی تو اللہ تعالیٰ علم میں بھی برکت دیں گے۔

(۲) سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں! کیوں کہ اچھا برتاؤ یہ افادیت کے لیے بے انتہا مفید ہے۔

(۳) ہمیشہ باوضو رہیں اور نمازوں کا اہتمام کریں! اس سے علم میں اضافہ ہوگا، اور کوئی بھی درسی کتاب کو بلا وضو ہاتھ نہ لگائے! اس سے علوم وفنون کی راہ ہموار ہوگی اور یہ نصیحت بار بار کی ہے۔

(۴) کسی بھی کتاب کو پڑھانا ہے تو پہلے خود اچھی طرح سے سمجھ لیں اور دماغ میں پورا سبق اچھی طرح سے بٹھالیں! کہاں کونسی بات بتانی ہے، اس کو بھی سوچ کر جائیں۔

(۵) ادب بنیادی شرط ہے، استاذ کا بھی ادب کریں، کتاب کا بھی ادب کریں، تپائی اور درس گاہ کا بھی ادب ملحوظ رکھیں، اس کے ساتھ ساتھ بڑوں کا بھی ادب کریں۔

(۶) درسگاہ میں قدم رکھنے سے قبل ہی ذہن میں اس بات کو مستحضر کرلیں کہ آج میرے سبق میں کتنی باتیں، کتنے مباحث، کتنے فائدے اور کتنے نکات ہوں گے؟ اس تعین وتحدید کے بعد عبارت پر ان کو منطبق کردیں۔ انشاء اللہ العزیز کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

(۷) اولین اور بنیادی درجات میں اس بات کا التزام ولحاظ رکھا جائے کہ طلبہ کو صرف و نحو، فقہ واصولِ فقہ، اصولِ تفسیر وحدیث اور منطق وبلاغت کے مصطلحات واصطلاحات خوب ازبر ہوں، شروع میں اس اہم اور طالب ریاضت مرحلے کو نظر انداز کردینے کا نقصان آخر تک نظر آتا ہے۔

(۸) مشفق ومہربان استاذ اپنے شاگرد کی باطنی اور روحانی تربیت کا فریضہ سرانجام دیتا

ہے، لہذا ہر باصلاحیت معلم اور جوہر شناس استاذ کی نظر ہمہ وقت اپنی روحانی اولاد کی سیرت وکردار پر رہنی چاہیے، اس لیے کہ حقیقت پسند اور نفسیات شناس مدرس اپنے آپ کو فقط کتاب کی تدریس وتعلیم تک محدود نہیں کرتا؛ بلکہ دورانِ درس کوئی نصیحت آموز کلمہ کہہ کر اپنے زیر تربیت نونہالوں کی عملی زندگی کا دھارا بدلنے کی اور نتیجہ خیز کردار کی طرف کوشاں وسرگرداں رہتا ہے۔

(۹) طلبہ کے ساتھ اعتدال، میانہ روی اور دوستانہ رویہ، ان کی فکری، علمی اور ذہنی صلاحیتوں کو ابھارنے اور نکھارنے میں بے حد مفید ومعاون ثابت ہوتا ہے، جہاں خشک مزاجی، بے جا غصے کا اظہار اور حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی سختی اور تشدد آپ کو طالب علم سے دور کردیتی ہے، اسی طرح حد درجہ نرمی، طبیعت میں عدم سلیقے کا عنصر اور طلبہ سے فضول گپ شپ بھی درس گاہ کے عمومی اور آپ کے پڑھانے کے خصوصی ماحول کو متأثر وبدنما کردے گی، لہذا طلبہ کے ساتھ توسط واعتدال کا معاملہ کریں، نہ حد سے زیادہ سختی اور نہ حد سے زیادہ نرمی ہو، ورنہ اس معاملے میں کسی بھی قسم کی کمی یا کوتاہی سے پیدا ہونے والے نتائج کا سدِ باب ناممکن اور محال ہوگا۔

(۱۰) اپنے آپ کو سب سے چھوٹا سمجھیں، اور اپنی زندگی کے لیے کسی ایک بڑے کو اپنا رہنما بنالیں، خود رائی سے پرہیز کریں۔

(۱۱) دوسری نصیحت یہ کی تھی کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ اور ملفوظات کو تاحیات پڑھنے کا معمول بنالیں، چاہے یہ بات آپ کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

(۱۲) ساتھ پڑھانے والے اساتذہ کے ساتھ باہم جوڑ اور اتفاق واتحاد سے رہنا۔

(۱۳) مدارس میں آدمی کا سامنا مختلف مزاجوں اور طبیعتوں سے ہوتا ہے، لہذا ہر مدرس سے مخلصانہ اور محبانہ انداز سے پیش آئیں، اگر اس کے برعکس ہوگا تو افتراق وانتشار، فتنہ و

فساد اور ٹوٹ پھوٹ کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آنے والا، محنتی اور مخلص استاد ہمیشہ ایثار پیشہ، منکسر النفس اور اعمال صالحہ کا حریص ہوتا ہے، اس کی ابتداء سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کی ذات، کردار اور شخصیت، ادارے کے مجموعی ماحول کے لیے تکدر اور خرابی کا باعث وسبب نہ بنے، اس کے کسی قول وعمل سے دوسرے کی دل آزاری اور دل شکنی نہ ہو۔ (انتھی)

ناقل: مفتی اسحاق درز ید مجدہ

(۱) مدارس کے حالات و تعلیمی، تدریسی نظام پر گفتگو ہوئی تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ: ”تعلیمی و تدریسی نظام میں بے انتظامی کی سب سے بڑی وجہ تعلیم و تدریس کا صحیح طور پر عدم اہتمام، طلبہ کرام کی ناقدری ہے۔“

(۲) جس ذمہ داری، عہدہ کی صلاحیت واستعداد آدمی میں نہ ہو، اس ذمہ داری وعہدہ کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔

(۳) آج کل حسد کی بیماری بہت عام ہوگئی ہے، لہذا ہر اعتبار سے احتیاط کرنا بہت ضروری ہے، جب تک اشد ضرورت نہ ہو، لوگوں سے میل جول نہیں کرنا چاہیے، خصوصاً حضرات اہل علم کو بغیر اشد ضرورت کے لوگوں سے اختلاط اور میل جول کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے۔

(۴) علمی حلقہ میں بہت ہی بڑا خلا واقع ہو چکا ہے، بہت سی علمی شخصیتیں دار البقاء کی طرف رحلت کر چکیں، علمی اعتبار سے رجوع کرنے کے لیے کوئی ایسی شخصیت میری نظر میں نہیں جس سے رجوع کر کے اطمینان وتسلی بخش جواب مل سکے۔ ”ایسا محسوس ہو رہا ہے علم اٹھا لیا گیا۔“ (انتھی)

ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین

بابِ نہم

سانحۂ ارتحال

سانحۂ ارتحال

حضرت مفتی صاحبؒ کا انتقال ۲۲، جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۶، دسمبر ۲۰۲۱ء پیر کی شب میں تقریباً سوا گیارہ بجے ہوا۔

آپ کی ولادت باسعادت ۲۴، ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء بروز شنبہ کو ہوئی تھی۔ اس طرح اسلامی تاریخ کے اعتبار سے حضرت مفتی صاحب کی کل عمر ۸۳ سال اور ۲۸ دن ہوئی، اور انگریزی حساب کے مطابق کل عمر ۸۱ سال، چھ ماہ اور ۲۵ دن ہوئی۔

وفات

حضرت مفتی صاحبؒ آخری دن تک صحت یاب اور ہشاش بشاش تھے، آخری دن بھی اپنے صبح کے گھنٹے میں معمول کے مطابق ''بخاری شریف'' کے تقریباً آٹھ، نو صفحات پڑھائیں، رات کو آٹھ بجے بھی کچھ پڑھایا کرتے تھے، طلباء رات کو آٹھ بجے پڑھنے کے لیے آپ کے حجرے میں پہنچے، لیکن بجلی نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت نہیں پڑھایا، رات تقریباً پونے گیارہ کے قریب قے ہوئی حضرت مولانا اختر صاحب ندوی مدظلہ العالی کے فرمانے کے مطابق قہوہ پلایا گیا، قہوہ پینے کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ: کچھ تفریح کرلوں، یہ فرما کر اپنے حجرے سے متصل برآمدے میں ایک چکر لگایا، ایک چکر لگانے کے بعد اپنے حجرے سے باہر رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھے ہی تھے کہ پیچھے کی طرف جھک گئے، آپ کے خادم مولوی عامل گوالیرا اور کچھ دیگر طلبہ نے کرسی پر سے آپ کو بستر پر منتقل کیا، کچھ دیر سانس چلتی رہی، اس کے بعد روح پرواز کر گئی، ڈاکٹر کو بلایا گیا، اس نے آکر بتایا کہ حضرت مفتی صاحب جوار رحمت خداوندی میں پہنچ چکے ہیں، اس خبر سے طلباء و اساتذہ پر ایک سکتہ طاری ہو گیا، اور بارہ بجے تک بجلی کی طرح آپ کی وفات کی خبر ہر جگہ پھیل گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غسل و تکفین

حضرت مفتی صاحبؒ کی نعش کو غسل دینے کی سعادت غسال یونس بھائی بھٹوک صاحب کے ساتھ حضرت مولانا شعیب صاحب بھاگلیا مدظلہ العالی (استاذ حدیث وفقہ: دار العلوم وناکپور، گودھرا) حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب بھاگلیا مدظلہ العالی، حضرت مولانا سلیمان صاحب بھاگلیا مدظلہ العالی، حضرت مفتی صاحب کے خادم مولوی عامل گوالیر اور راقم الحروف (محمد ادریس گونیا) کو حاصل ہوئی۔

نماز جنازہ

حضرت مفتی صاحبؒ کا انتقال جامعہ ہی میں ہوا اور وہی پر غسل وکفن کا عمل انجام دیا گیا، صبح دس بجے کے قریب بذریعۂ ایمبولنس جنازہ گودھرا آمنہ مسجد کے قریب لایا گیا اور لوگوں کو کندھا دینے کی سعادت حاصل ہو؛ اس غرض سے وہاں سے جنازہ پیدل چلا گیا، اس طرح لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے کندھا دینے کی سعادت حاصل کی، جنازہ گودھرا کے قبرستان ٹپلا کی واڑی میں لایا گیا، جہاں گیارہ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ داعیٔ کبیر حضرت مولانا اسماعیل صاحب بھاگلیا دامت برکاتہم نے پڑھائی، جہاں نظر اٹھاؤ وہاں لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا۔ یہ حضرت مفتی صاحبؒ کی عند اللہ وعند الناس مقبولیت کی علامت ہے۔

تدفین ومقام تدفین

حضرت مفتی صاحبؒ کے ہم وطن اور ناظرہ کے استاذ قاضی اسماعیل ٹنکاروی صاحبؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے مریدوں میں سے تھے، انہوں نے عرصۂ دراز

تک گودھرا سے تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع وینجلپور نامی قصبہ میں تدریس وامامت کے فرائض انجام دیئے تھے۔

یہ بزرگ حضرت مفتی صاحبؒ کے والد ماجد کے دوستوں میں سے تھے، جنہوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے والد ماجد کو اس بات کی ترغیب دی تھی کہ حضرت مفتی صاحبؒ کو علم دین کے زیور سے آراستہ کریں، انہی کی ترغیب کی وجہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کو ان کے والد ماجد نے علم دین کے حصول میں لگایا تھا، حضرت مفتی صاحب ایک تو اس احسان کی وجہ سے قاضی صاحبؒ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ۲۲، ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۶، فروری ۱۹۸۲ء بروز منگل حضرت قاضی صاحب کا وینجلپور میں انتقال ہوا تو حضرت مفتی صاحب جنازہ میں شرکت کے لیے وینجلپور تشریف لائے تھے، حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے تھے کہ: قاضی صاحب کا جس دن انتقال ہوا، اس دن گرمی بہت زیادہ تھی، جب قاضی صاحب کا جنازہ اٹھایا گیا تو دیکھا گیا موسم ایک دم تبدیل ہوگیا اور فضا میں ٹھنڈک ہوگئی، ایک بادل دیکھا گیا کہ جیسے جیسے جنازہ آگے بڑھتا جاتا ویسے ویسے وہ بادل جنازہ پر سایہ کرتا جاتا تھا، حضرت مفتی صاحب نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

اس منظر کو دیکھ کر حضرت مفتی صاحبؒ بہت زیادہ متأثر ہوئے تھے اور حضرت مفتی صاحبؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ: اگر میرا انتقال گودھرا میں ہو تو مجھے انہی کے پاس دفن کیا جائے، بعد میں حضرت مفتی صاحبؒ نے کئی بار اس وصیت کا تذکرہ جامعہ کے استاذ حدیث حضرت مولانا نثار صاحب سمول مدظلہ العالی اور جامعہ کے ناظم حضرت مولانا اختر صاحب پٹنی ندوی مدظلہ العالی کے سامنے کیا تھا۔

قاضی صاحب کو وتجلپور کے جس قبرستان میں دفن کیا گیا تھا، وہاں تقریباً ۳۰،۳۵ سال سے تدفین کا عمل بند تھا اور قاضی صاحبؒ کی قبر کے کچھ آثار بھی نہیں تھے لیکن بستی کے لوگوں کو ان کی قبر کی جگہ معلوم تھی، اسی کے قریب حضرت مفتی صاحبؒ کے لیے ان کی آخری آرام گاہ تیار کی گئی۔ ہمارے دیار میں عام طور سے نہ لحدی قبر بنائی جاتی ہے اور نہ شقی قبر بنائی جاتی ہے بلکہ سادہ قبر بنائی جاتی ہے، لیکن حضرت مفتی صاحب کے لیے ''شقی قبر'' تیار کی گئی تھی۔

جنازہ بذریعۂ ایمبولنس وتجلپور لے جایا گیا، جہاں ایک جم غفیر کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحبؒ کے جسد خاکی کو نمناک آنکھوں اور غمگین دل کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ان کی آخری آرام گاہ کے سپرد کر دیا گیا۔

آخری آرام گاہ میں اتارنے کی سعادت جامعہ کے نائب مہتمم ''حضرت مولانا ابراہیم صاحب بھاگلیا مدظلہ العالی'' اور جامعہ کے نوجوان فاضل ''مفتی حسن کاچبا مدظلہ العالی'' کے حصہ میں آئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

مرثیہ بروفات حضرت الاستاذ مفتی ابراہیم آچھودیؒ

از: مفتی حسن صاحب کاچبا گودھروی

(امام وخطیب: مسجد آدم گودھرا)

میں تم کو سناتا ہوں اک درد کا افسانہ	دل تھام کے تم سننا، رونا نہ شکیبانہ
وہ مفتی آچھودی ہم نام خلیل اللہ	آج ہم سے ہوئے رخصت وہ رہبر فرزانہ
شیخ آپ کی رحلت سے برباد ہے میخانہ	تھا رشک گلستان کل، ہے آج وہ ویرانہ
تھا پست قد وقامت، پر تھے وہ بلند ہمت	لہجے میں حلاوت تھی، رفتار تھی مردانہ
چہرہ تھا کتابی سا، رخسار گلابی سا	بینی تھی مثال گل، آنکھیں تھیں غزالانہ
اک سادہ سا کاشانہ جو ان کا تھا ٹھکانہ تھا	شاہوں کے محل جھکتے ایسا تھا وہ کاشانہ
کیا درس کی لذت تھی، کیا وعظ ونصیحت تھی	پیاسوں کو عطا کرتے بھر بھر کے وہ پیمانہ
آنکھوں سے ہوئے اوجھل دیکر کے وہ غم اپنا	نا دل سے کبھی جانا، اے جلوۂ جانانہ
پوچھا جو فرشتوں نے در شان نبی اللہ	آقا نے کہا ہوگا آیا میرا دیوانہ
وہ مرد قلندر تھا، ہر فن کا سمندر تھا	دل کا وہ تونگر تھا، انداز تھا شاہانہ
پوچھے کوئی جاکر کچھ اس اختر خوشتر سے	اب کیسے گزرتی ہے بن شفقت پدرانہ
اے مولوی ابراہیم! اے شعیب خندہ رو	پژمردہ جبیں کیوں ہو کیونکر کہ ہو بے گانہ

باب دہم

وفات کے بعد مبشرات

وفات کے بعد مبشرات

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے بزرگ کی وفات پر یقین کے ساتھ یہ کہنا درست نہیں ہے وہ ''جنتی'' ہے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ دنیوی زندگی میں کوئی ایسی نافرمانی ہوگئی ہو جو خدا کے یہاں گرفت کا باعث ہوئی ہو۔ البتہ ان کے کارہائے نیک کی وجہ سے خدا سے یہ امید کی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ فرمایا ہوگا۔

اسی طرح کسی بڑے سے بڑے فاسق کی وفات پر یقین کے ساتھ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ جہنم میں گیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ دنیوی زندگی میں اس سے کوئی ایسا نیک کام ہوگیا ہو جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کردی ہو۔

کسی انسان کی وفات کے بعد انہیں اچھی یا بری حالت میں دیکھا جاتا ہے اس کی بھی یہی حقیقت ہے کہ اس اچھے خواب کی وجہ سے ان کے بارے میں قطعیت کے ساتھ ''جنتی'' ہونے کا خیال کرنا درست نہیں ہے، بلکہ یہ ایک علامت ہوتی ہے، اور امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ درگذر کا معاملہ فرمایا ہے۔

انہیں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان مبشرات کو پڑھئے گا!

(۱) ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ ایک کھیت میں کسی آدمی نے حضرت مفتی صاحبؒ کی دعوت کی ہے، کچھ اور بھی علماء مدعو کیے گئے ہیں، بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی تو کچھ پتھر بچھا کر بیٹھنے کی جگہ کی گئی، حضرت مفتی صاحب کی عمر پچاس، ساٹھ سال کے قریب معلوم ہورہی تھی، بہت زیادہ ہشاش بشاش اور تندرست معلوم ہورہے تھے۔

اس خواب سے اچھی حالت میں ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔

(۲) ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ جامعہ کی عمارت دارالقرآن سے نکل رہے ہیں، طلبہ میں یہ خبر مشہور ہورہی ہے کہ حضرت مفتی صاحب حج کے لیے جارہے

ہیں، دار القرآن کے باہر گاڑی کھڑی تھی جس میں حضرت مفتی صاحبؒ سوار ہوئے۔
اس خواب سے حضرت مفتی صاحب کے اچھی حالت میں ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔
(۳) ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب گودھرا کے مشہور باغیچہ ''لال باغ'' میں تفریح فرمارہے ہیں۔
اس خواب سے حضرت مفتی صاحب کے اچھی حالت میں ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔
(۴) کسی نے خواب دیکھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ ایک فوت شدہ آدمی کے بارے میں فرمارہے تھے کہ اگر وہ اپنی زندگی میں دین کا کام کرتا تو وہ بھی میری طرح بلند درجے پر ہوتا!
اس خواب سے بھی حضرت مفتی صاحب کا آخرت میں بلند رتبے پر فائز ہونے کا علم ہوتا ہے۔
(۵) کسی نے خواب دیکھا کہ چند لوگ حضرت مفتی صاحبؒ سے ان کے پرانے مکان میں ملاقات کے لیے گئے ہوئے ہیں، مفتی صاحب ہشاش بشاش تھے، سب سے ملاقات فرمائی، اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ رات زیادہ ہوگئی ہے، یہیں ٹھہر جاؤ! ایک ساتھی نے جانے پر اصرار کیا تو آپ مشایعت کے لیے گھر کے دروازے تک تشریف لائے اور کچھ رقم ھدیہ کی، باقی ماندہ لوگوں نے جانے کا ارادہ کیا، اسی دوران کسی نے یہ بات کہی کہ آج مولانا اختر صاحب مدظلہ العالی (استاذ تفسیر دار العلوم گودھرا) نے ''وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون'' کی بہت اچھی تفسیر کی، ایسی تفسیر اس سے پہلے نہیں سنی گئی۔
اس خواب میں چند باتیں ہیں:
(۱) حضرت مفتی صاحب کا ہشاش بشاش ہونا۔
اس میں حضرت مفتی صاحب کے اچھی حالت میں ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۵) ''وان کان ذو عسرۃ'' والی آیت کے مفہوم کے مطابق حضرت مفتی صاحب کے اچھی حالت میں ہونے کی طرف اس طور پر اشارہ ہے، دنیوی زندگی میں نیک آدمی تنگی، مصیبت اور نیک کاموں سے تھکا ہوا ہوتا ہے، ''میسرۃ'' کے لفظ سے آخرت کی زندگی میں حضرت مفتی صاحب کے لیے آسانی اور راحت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۶) حضرت مفتی صاحب کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے اپنی بہن کے لیے رشتہ کے لیے دعا کی درخواست کی تو حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ'': ان شاء اللہ جنت سے رشتہ آئے گا یعنی بہتر رشتہ آئے گا۔''

حضرت مفتی صاحب کے انتقال کے تقریباً آٹھ، نو ماہ کے بعد اس آدمی کی بہن کا ایک اچھی جگہ سے رشتہ آیا اور بات طے ہوگئی۔ جس دن بات طے ہوگئی اسی دن دعا کی درخواست کرنے والے آدمی نے حضرت مفتی صاحب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب فرمارہے تھے کہ ''میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ جنت سے رشتہ آئے گا۔ رشتہ آگیا نا!''

(۷) ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب ان کے گھر تشریف لائے اور تھوڑی دیر بات چیت کرنے کے بعد رخصت ہونے لگے تو صاحبِ خانہ حضرت مفتی صاحب کی مشایعت کے لیے ان کے ساتھ چلا، راستہ میں دیکھا کہ ایک بڑا نالہ ہے، وہ صاحب حضرت مفتی صاحب کو پہنچانے کے لیے کوئی تدبیر سوچنے لگے، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ: ''تم فکر نہ کرو! میں پہنچ جاؤں گا''، تھوڑی دیر کے بعد خواب دیکھنے والے نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب اس نالہ کو پار کر کے ایک بہت بڑے باغ میں پہنچ گئے ہیں اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: میں پہنچ گیا ہوں۔

تعبیر دینے والے نے تعبیر دی کہ متعلقین کے ایصالِ ثواب اور دعاؤں کے اہتمام کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کے درجات مسلسل بلند ہورہے ہیں، اور حضرت مفتی صاحب جنت کے ایک بلند درجہ میں ہیں۔

آخری بات

حضرت مفتی صاحبؒ راقم الحروف کے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اور الگ الگ مواقع پر حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرما کر میری حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے، حضرت مفتی صاحب سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ اتنے دن گذرنے کے باوجود ایسا لگتا ہے ابھی حضرت مفتی صاحب ہمارے درمیان میں موجود ہیں، ان سطور کو تحریر کرتے وقت کئی بار آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

حضرت مفتی صاحب کی جب گودھرا آمد ہوئی اس وقت حضرت تنِ تنہا تھے، اہل وعیال کوئی ساتھ نہیں تھے، اور وفات تک اسی حالت میں رہے، جب حضرت مفتی صاحب ربانی مسجد میں مقیم تھے اس وقت تقریباً پانچ سال تک حضرت مولانا اسحاق عمر جی صاحبؒ نے اپنے گھر سے کھانے کا انتظام کیا، اسی طرح بہت سے لوگوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے کھانے پینے سے لے کر دوا وعلاج اور مختلف اسفار میں دل وجان سے خدمت کی، راقم الحروف ان سبھی لوگوں سے واقف نہیں ہے، لیکن جب سے دار العلوم سے وابستگی ہوئی تب سے اپنی آنکھوں سے حضرت مفتی صاحب کا ہر وقت خیال رکھنے والے جن لوگوں کو دیکھا ان میں مرحوم حاجی الیاس صاحب پٹیل، حافظ شعیب رینجر صاحب، ڈاکٹر جرگال صاحب، حضرت مولانا عبد الستار صاحب بھاگلیا (مہتمم: دار العلوم گودھرا) مولانا نثار صاحب سمول، مولانا شعیب صاحب بھاگلیا، مولانا ابراہیم صاحب بھاگلیا اور مولانا اختر صاحب ندوی پٹنی مدظلہم العالی قابل ذکر ہیں۔ ان سب میں آخر الذکر حضرت مولانا اختر صاحب نے تو واقعی خدمت کا حق ادا کر دیا، مستقل مولانا کے گھر سے حضرت مفتی صاحب کا کھانا جاتا تھا، حضرت مفتی صاحب کے تقریباً تمام اسفار میں ایک خادم کی حیثیت سے شریکِ سفر ہوتے تھے،

اورسفر کے دوران ہر قسم کی ضروریات کا پورا خیال فرماتے تھے، نیز حضرت مفتی صاحب کی معمولی سی طبیعت ناساز ہوتی تو بہتر سے بہتر طریقہ سے دواوعلاج کا انتظام کرتے تھے، اور موقع کی ہر دوا از خود کھلانے کے لیے موجود رہتے تھے، اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحب مولانا کو مزاحاً ''ڈاکٹر صاحب'' کہا کرتے تھے، حضرت مفتی صاحب بھی مولانا اختر صاحب کی ان خدمات کے دل سے معترف تھے، بہت سی مرتبہ اس کا برملا اظہار بھی فرماتے تھے، یہ خدمت کا سلسلہ آخری دم تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کی خدمات کو قبول فرمائیں اور دنیا وآخرت میں بہترین بدلہ سے سرفراز فرمائیں۔

اور بارگاہِ ایزدی میں دعا گو کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی مکمل مغفرت فرمائیں، حسنات کو قبول فرمائیں سیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائیں، انہیں اپنی مغفرتوں اور رحمتوں میں ڈھانپ لیں، قبر کو منتہائے نگاہ تک وسیع فرمائیں اور قبر کو جنت کا باغیچہ بنائیں اور آخرت کی تمام منزلوں کو آسان فرما کر بلا حساب وکتاب جنت میں دخول اولین نصیب فرمائیں۔

محمد ادریس گونیا

دار العلوم گودھرا

۳، رجب المرجب ۱۴۴۴ھ

مطابق ۲۵، جنوری ۲۰۲۳ء

مؤلف کی تالیفات

نمبر	اسمائے کتب	صفحات	ناشر
۱	ہم علم حدیث کیسے پڑھیں؟	۲۷۲	ادارۂ صدیق
۲	ہم حدیث کا درجہ کیسے پہچانیں؟	۲۷۲	ادارۂ صدیق
۳	شرح حدیث کے لیے ضروری امور	۱۲۸	غیر مطبوع
۴	حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد کتب خانہ کے مخطوطات کی وضاحتی فہرست، جلد: ۱۱	۲۶۲	احمد آباد
۵	حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد کتب خانہ کے مخطوطات کی وضاحتی فہرست، جلد: ۱۲	۲۶۲	احمد آباد
٦	حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد کتب خانہ کے مخطوطات کی اجمالی فہرست	۳۰۰	احمد آباد
۷	ترجمہ: ظفر الوالہ بمظفر وآلہ (دو جلدیں)	۱۳۰۰	غیر مطبوع
۸	حضرت عیسیٰ، حضرت امام مھدیؑ اور دجال (گجراتی)	۱۵۲	پنجابی کتاب گھر
۹	خانقاہ کیا ہے؟ (گجراتی)	۲۵۲	جامعہ رحمانیہ گودھرا
۱۰	پردہ اور لباس (گجراتی)	۴۸	جامعہ رحمانیہ گودھرا
۱۱	جادو اور جیوتشی (گجراتی)	۴۸	جامعہ رحمانیہ گودھرا
۱۲	وصیت نامہ اہمیت، ضرورت (گجراتی)	٦۴	جامعہ رحمانیہ گودھرا
۱۳	وصیت نامہ اہمیت، ضرورت (اردو)	۹۸	جامعہ رحمانیہ گودھرا
۱۴	تاریخ جامعہ رحمانیہ ونا کپور گودھرا (اردو)	۲۴۸	جامعہ رحمانیہ گودھرا

	تاریخ جامعہ رحمانیہ ونا کپور گودھرا (گجراتی،از: سلمان واڈھیل)	۲۴۸	جامعہ رحمانیہ گودھرا
۱۵	خودکشی ایک سنگین جرم (اردو)	۸۰	غیر مطبوع
	خودکشی ایک سنگین جرم (گجراتی۔از: سلمان واڈھیل)	۸۰	غیر مطبوع
۱۶	ہماری بادشاہی (گجراتی ترجمہ)	۱۸۰	غیر مطبوع
۱۷	حضرت مفتی ابراہیم صاحب آچھودی مقالاتؒ ومضامین کے آئینہ میں	۲۸۸	جامعہ رحمانیہ گودھرا
۱۸	نمونۂ اسلاف حضرت مفتی ابراہیم صاحب آچھودیؒ	۱۴۴	جامعہ رحمانیہ گودھرا
۱۹	خانقاہ کیا ہے؟	۳۰۴	غیر مطبوع

تمت بحمد الله